جلد ۷ اکتوبر ۱۹۶۶ء شمارہ ۱۰

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ انصار اللہ ربوہ

سالانہ چندہ چھ روپے فی پرچہ ساٹھ پیسے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر

آل عمران

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان!

ماہنامہ انصار اللہ ربوہ

اکتوبر ۱۹۶۶ء

ایڈیٹر

مسعود احمد دہلوی

فی پرچہ ۶۰ پیسے

سالانہ چندہ چھ روپے

فہرست مضامین !

طابع و ناشر چوہدری محمد ابراہیم مطبع ضیاء الاسلام پریس ربوہ مقام اشاعت دفتر ماہنامہ انصار اللہ دار الصدر جنوبی ربوہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد ۷	ماھنامہ انصار اللہ ربوہ	شمارہ ۱۰

۱۵ اکتوبر ۱۹۶۶ء

اجتماع انصار اللہ کی بنیادی غرض

اجتماعی ذکرِ الٰہی اور اس کے فضائل

مومنوں کے لئے انفرادی اور اجتماعی ذکرِ الٰہی کی اہمیت اس امر سے واضح ہے کہ مومنوں میں ذکر الٰہی کی عادت اور لگن پیدا کرنے کو اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ایک بنیادی مقصد قرار دیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ قرآن مجید میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرماتا ہے :-

إِنَّآ أَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ
مُبَشِّرًا وَّنَذِيرًا ۝ لِّتُؤْمِنُوْا
بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَ
تُوَقِّرُوْهُ ۝ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً
وَّأَصِيْلًا ۝

(اے رسول، ہم نے تجھے اپنی صفات کے لئے، گواہ اور (مومنوں کے لئے) بشارت دینے والا اور (کافروں کے لئے) ہوشیار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے تاکہ تم اس کے ذریعہ سے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اس کی مدد کرو اور اس کی عزت کرو اور صبح و شام اللہ کی تسبیح کرو،

(الفتح آیات ۹، ۱۰)

اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد بیان کرتے ہوئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے

کہ ہم نے اپنے اس رسول کو اس لئے بھیجا ہے کہ اوّل یہ کہ لوگ اللہ اور اس کے رسول پر دلی بصیرت کے ساتھ ایمان لائیں، دوم یہ کہ وہ ایمان لانے کے بعد رسول کے رفیع الشان کاموں میں اس کے مددگار بنیں، سوم یہ کہ وہ اللہ اور رسول کی تعظیم کو اپنا شعار بنائیں، چہارم یہ کہ وہ صبح شام اللہ کی تسبیح کریں۔ صبح شام سے مراد یہ ہے کہ ایمان لانے والے دن اور رات کے ہر حصہ میں جہاں تک ممکن ہو سکے ہر وقت بلکہ ہر لمحہ اور ہر لحظہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید میں مشغول رہیں اور اس سے کبھی غافل نہ ہوں۔ الغرض آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بنیادی مقاصد میں سے ایک اہم مقصد ایمان لانے والوں کو ذکر الٰہی کا پابند بنانا ہے۔

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نماز، روزہ، حج اور تلاوت قرآن کے ساتھ ساتھ جو خود اپنی ذات میں نہایت ہی اہم اور فرضِ عین کا درجہ رکھنے والے ذکر اللہ ہیں) دن اور رات جاری رہنے والے عمومی ذکرِ الٰہی کو بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی اغراض میں سے ایک غرض قرار دینے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ مسلمانوں کو ذکرِ الٰہی میں مشغول رہنے کا قرآن مجید میں بار بار اور بہ تکرار حکم بھی دیا ہے تاکہ آپ کی بعثت کی یہ غرض بہ تمام و کمال پوری ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس حکم میں ایک خاص التزام یہ فرمایا ہے کہ اس میں کہیں تو واحد کا صیغہ استعمال کیا ہے اور کہیں جمع کا۔ اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ ایمان لانے والے نہ صرف ذکر الٰہی میں انفرادی طور پر مصروف رہیں بلکہ نماز، روزہ، اور حج وغیرہ کی طرح اس عمومی ذکر الٰہی میں اجتماعی رنگ پیدا کرنے کی بھی کوشش کریں۔ چنانچہ پہلے ہم انفرادی ذکرِ الٰہی سے متعلق احکام کو لیتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ۝ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا ۝ (المزمل آیات ۹، ۱۰)	اور چاہیئے کہ تُو اپنے رب کا ذکر کیا کر اور اُسی سے دل لگایا کر۔ وہ مشرق کا بھی رب ہے اور مغرب کا بھی رب ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں پس تُو اُسی کو اپنا کارساز بنا۔

نیز انفرادی رنگ میں ذکرِ الٰہی کی تلقین کرتے ہوئے ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّأَصِيلًا ۝ وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيلًا ۝ (الدھر آیات ۲۶، ۲۷)	اور اپنے رب کا صبح و شام ذکر کیا کر اور رات کے وقت بھی اس کے سامنے سجدہ کیا کر اور رات کو دیر تک اُس کی تسبیح کیا کر۔

اور پھر انفرادی طور پر ہر مومن کو ذکر الٰہی کی ترغیب دلاتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے یہ تاکید بھی فرمائی ہے کہ اے مومن

تو ذکرِ الٰہی سے کبھی غفلت نہ برت بلکہ پورے تعہد اور التزام کے ساتھ اس میں لگا رہ۔ چنانچہ فرماتا ہے :-

وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِينَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيُسَبِّحُونَهُ وَلَهُ يَسْجُدُونَ ۝

تو اپنے نفس میں اپنے رب کو عجز اور خوف کے ساتھ یاد کرتا رہا کر اور دھیمی آواز سے صبح و شام ایسا کیا کر اور کبھی غفلت کرنے والوں میں شامل نہ ہو۔ جو لوگ تیرے رب کے پاس ہیں (یعنی مقرب فرشتے) یقیناً وہ اپنے رب کی عبادت سے اپنے آپ کو بڑا نہیں سمجھتے اور اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور اس کے سامنے سجدہ کرتے رہتے ہیں۔

(الاعراف آیات ۲۰۶، ۲۰۷)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے واحد کا صیغہ استعمال کر کے مومنوں کو حکم دیا ہے کہ ان میں سے ہر مومن کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی انفرادی حیثیت میں دن اور رات چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے اور لیٹے ہوئے ذکرِ الٰہی میں مشغول رہے اور اس سے کبھی غافل نہ ہو اور پھر اس بات پر تکبر نہ کرے کہ وہ اللہ کو بہت یاد کرتا ہے۔ بلکہ اس کا فرض ہے کہ وہ اپنے نفس میں عجز اور خوف کے ساتھ دھیمی آواز میں اپنے رب کو یاد کیا کرے اور کبر و غرور کو اپنے پاس نہ پھٹکنے دے۔

انفرادی ذکرِ الٰہی کے تاکیدی حکم کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے جمع کا صیغہ استعمال کر کے اس امر کی بھی تلقین فرمائی ہے کہ باہم اکٹھے ہو کر بھی اپنے رب کو یاد کرتے رہا کرو اور پھر ساتھ ہی یہ بھی باور کرایا ہے کہ اس اجتماعی ذکرِ الٰہی میں ہی بحیثیت جماعت تمہاری فلاح کا راز مضمر ہے چنانچہ فرماتا ہے :-

وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ (الجمعہ آیت ۱۱)

اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ اجتماعی ذکرِ الٰہی کے حکم ساتھ اس کے نتیجہ میں حاصل ہونے والی فلاح کا کسی قدر تفصیل سے ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اگر تم اکٹھے ہو کر بکثرت اپنے رب کو یاد کرو گے تو وہ تم پر بحیثیت جماعت اپنی رحمتیں نازل کرے گا، آسمان پر فرشتے تمہارے لئے دعا کریں گے اور جب بھی تمہارے لئے کوئی ظلمت پیدا ہو گی خدا تعالیٰ اسے دور کر کے تمہیں دوبارہ نور میں لے آئے گا۔ چنانچہ فرماتا ہے :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ۝ وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝ هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ لِيُخْرِجَكُمْ

اے مومنو! اللہ کا ذکر بہت کیا کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح کیا کرو۔ وہی ہے جو تم پر اپنی رحمتیں بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی تمہارے لئے دعائیں کرتے ہیں تاکہ (اس کا نتیجہ یہ نکلے کہ) وہ

مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا

تم کو اندھیروں سے نور کی طرف لے جائے اور وہ مومنوں پر بار بار رحم کرنے والا ہے۔

(الاحزاب آیات ۴۲، ۴۳)

اجتماعی ذکرِ الٰہی کی ایسی عظیم الشان فضیلت کے باعث اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا ہے کہ جب بھی اجتماعی ذکرِ الٰہی کا موقع پیدا ہو اور تمہیں اس موقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے بلایا جائے تو سب کاروبار چھوڑ کر دوڑتے ہوئے وہاں پہنچو ایسا نہ ہو کہ اپنی غفلت سے محرومی کا شکار ہو کر فلاح پانے والوں میں شامل نہ ہو سکو۔ چنانچہ فرماتا ہے:-

فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۚ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (الجمعہ آیت ۱۰)

اللہ کے ذکر کے لئے جلدی جلدی جایا کرو اور خرید و فروخت کو چھوڑ دیا کرو۔ اگر تم کچھ بھی علم رکھتے ہو تو یہ تمہارے لئے اچھی بات ہے۔

اس میں شک نہیں کہ یہ حکم نمازِ جمعہ کے تعلق میں دیا گیا ہے لیکن نمازِ جمعہ خود بہت وسیع پیمانہ پر اجتماعی ذکرِ الٰہی کا موقع فراہم کرتی ہے لہٰذا اس سے مستنبط ہے کہ ایک نمازِ جمعہ ہی نہیں جب بھی مومنوں کو اجتماعی ذکرِ الٰہی کے لئے بلایا جائے ان کا یہ فرض ہے کہ وہ سب کام کاج چھوڑ کر اور دیگر دنیوی مصروفیات ترک کر کے دوڑتے ہوئے پہنچیں اور اجتماعی ذکرِ الٰہی میں شریک ہو کر اس کی عظیم الشان برکات سے مستفیض ہوں۔ چنانچہ ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے نمازِ جمعہ کی قید لگائے بغیر اُن مومنوں کی تعریف کی ہے جو خرید و فروخت اور دوسری دنیوی مصروفیات کو ذکرِ الٰہی میں حارج نہیں ہونے دیتے فرماتا ہے رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (النور آیت ۳۸) یعنی بہت سے لوگ ہیں جن کو اللہ کے ذکر سے نہ تجارت اور نہ سودا بیچنا غافل کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا مومنوں کے دلوں میں ذکرِ الٰہی کا شوق اور لگن پیدا کرنے کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد میں شامل کرنا، انفرادی اور اجتماعی رنگ میں ذکرِ الٰہی کرنے کا مومنوں کو حکم دینا، ذکرِ الٰہی کے ساتھ مومنوں کی انفرادی اور اجتماعی فلاح کو وابستہ کرنا، اور بالخصوص مومنوں کو اجتماعی ذکرِ الٰہی کے لئے ہر قسم کے کاروبار ترک کر کے جلدی جلدی اور دوڑتے ہوئے آنے کی تلقین کرنا ——— یہ سب امور ایسے ہیں جن سے ذکرِ الٰہی کی اہمیت اور بے اندازہ عظمت و فضیلت عیاں ہوئے بغیر نہیں رہتی۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نہ صرف خود بے انتہا کثرت کے ساتھ ذکرِ الٰہی کرتے تھے بلکہ صحابہؓ کو بھی انفرادی اور اجتماعی ذکرِ الٰہی کی نہایت زور دار الفاظ میں تلقین فرمایا کرتے تھے۔ ذکرِ الٰہی میں خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اپنے شغف کا یہ

عالم تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا فرماتی ہیں کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَذْکُرُ اللّٰہَ فِیْ کُلِّ حِیْنٍ یعنی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہر وقت اللہ تعالےٰ کا ذکر کرتے رہتے تھے۔ پھر اپنا نمونہ پیش کرنے کیساتھ ساتھ آپؐ نے صحابہؓ کو جن زور دار الفاظ میں انفرادی اور اجتماعی ذکر الٰہی کی تلقین فرمائی اور اس کا صحابہؓ پر جو اثر ہوا اور انہوں نے ذکر الٰہی میں جو انتہائی شغف دکھایا اس کا احادیث اور کتب سیر میں بکثرت ذکر آتا ہے۔

چنانچہ انفرادی رنگ میں ذکرِ الٰہی کرنے کی آپؐ جس پُر اثر انداز میں تلقین فرمایا کرتے تھے اس کا ایک حدیث سے پتہ چلتا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔

اَنَّ رَجُلًا قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ شَرَائِعَ الْاِسْلَامِ قَدْ کَثُرَتْ عَلَیَّ فَاَخْبِرْنِیْ بِشَیْئٍ اَتَشَبَّثُ بِہٖ قَالَ لَا یَزَالُ لِسَانُکَ رَطْبًا مِنْ ذِکْرِ اللّٰہِ (ترمذی ماجاء فی فضل الذکر)

ایک شخص نے عرض کیا اے اللہ کے رسول میں جانتا ہوں کہ اسلام کے احکام تو بہت سارے ہیں آپ مجھے ان میں سے کوئی ایسی بات بتائیں جس پر میں مضبوطی سے قائم ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا وہ ایک بات یہ ہے، کہ تیری زبان ہمیشہ ہی اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر رہنی چاہیئے

اسی طرح ایک موقع پر آپؐ نے صحابہؓ کو مخاطب کرتے ہوئے بڑے ہی دل نشین انداز میں ذکر الٰہی کی فضیلت بیان فرمائی ہے آپؐ نے وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ کے قرآنی ارشاد کے بموجب ذکرِ الٰہی کو درجہ میں تمام دوسرے نیک اعمال سے بڑھ کر نیک عمل قرار دیا۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے۔

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلَا اُنَبِّئُکُمْ بِخَیْرِ اَعْمَالِکُمْ وَ اَزْکَاھَا عِنْدَ مَلِیْکِکُمْ وَاَرْفَعِھَا فِیْ دَرَجَاتِکُمْ وَخَیْرٌ لَّکُمْ مِنْ اِنْفَاقِ الذَّھَبِ وَالْفِضَّۃِ وَاَنْ تَلْقَوْا عَدُوَّکُمْ فَتَضْرِبُوْا اَعْنَاقَھُمْ وَیَضْرِبُوْنَ اَعْنَاقَکُمْ قَالُوْا وَمَاذَالِکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ ذِکْرُ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ۔

(مسند احمد بن حنبل ج ۲)

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں آگاہ نہ کروں کہ تمہارے اعمال میں سے بہتر عمل کونسا ہے اور تمہارے مالک کے نزدیک سب سے ستھرا اور پاکیزہ فعل کونسا ہے اور تمہارے درجات میں سے سب سے بلند درجہ کونسا ہے اور جو سیم وزر خرچ کرنے سے بھی بہتر ہے اور جو اس سے بھی بہتر ہے کہ دشمنوں سے تمہارا مقابلہ ہو اور تم ان کی گردنیں کاٹو اور وہ تمہاری گردنیں کاٹیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول فرمائیے وہ کونسا عمل ہے۔ آپؐ نے فرمایا وہ ہے خدائے بلند و برتر کا ذکر،

یہ تو ہے دیگر نیک اعمال کے بالمقابل ذکرِ الٰہی کی فضیلت۔ ایک اور موقع پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی واضح فرمایا کہ اسی نسبت سے ذکرِ الٰہی کرنے والوں اور اس میں شغف دکھانے والوں کا درجہ دوسرے نیک اعمال بجالانے والوں سے بڑھ کر ہے۔ چنانچہ حدیث ہے:۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سُئِلَ اَیُّ الْعِبَادِ اَفْضَلُ دَرَجَۃً عِنْدَ اللّٰہِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ قَالَ اَلذَّاکِرُوْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا، قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وَمِنَ الْغَازِیْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ قَالَ لَوْضَرَبَ بِسَیْفِہٖ فِی الْکُفَّارِ وَالْمُشْرِکِیْنَ حَتّٰی یَنْکَسِرَ وَیَخْتَضِبَ دَمًا لَکَانَ ذَاکِرُوْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا اَفْضَلَ مِنْہُ دَرَجَۃً۔

حضرت ابوسعید الخدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک درجہ کے لحاظ سے افضل کون لوگ ہوں گے۔ آپؐ نے فرمایا کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کرنے والے۔ ابوسعید الخدریؓ کا بیان ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے غازی سے بھی؟ آپ نے فرمایا اگر وہ غازی کافروں اور مشرکوں سے جہاد کرتے ہوئے تلوار چلائے یہاں تک کہ اس کی تلوار ٹوٹ جائے اور خون سے رنگی جائے تو بھی کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کرنے والے درجہ میں اس سے افضل ہوں گے۔

(ترمذی ابواب الدعوات باب ماجاء فی فضل الذکر)

اسیطرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اجتماعی ذکرِ الٰہی کی اہمیت اور اس کی فضیلت بھی نہایت موثر طریق پر صحابہؓ کے ذہن نشین کرائی تاکہ وہ اجتماعی ذکرِ الٰہی کی عظیم الشان برکات سے بھی مستفیض ہوں۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ ایک موقع پر آپؐ نے صحابہؓ کو اجتماعی ذکرِ الٰہی کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:۔

لَا یَقْعُدُ قَوْمٌ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ اِلَّا حَفَّتْھُمُ الْمَلٰئِکَۃُ وَغَشِیَتْھُمُ الرَّحْمَۃُ وَنَزَلَتْ عَلَیْھِمُ السَّکِیْنَۃُ وَذَکَرَھُمُ اللّٰہُ فِیْ مَنْ عِنْدَہٗ

(صحیح مسلم)

یعنی جب کسی قوم کے افراد باہم مل کر ذکرِ الٰہی کیلئے بیٹھتے ہیں تو فرشتے آسمان سے نازل ہو کر ان کے گرداگرد آجاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت ان پر چھا جاتی ہے اور سکینت ان پر نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ خوش ہو کر ان کا ذکر اپنے فرشتوں سے کرتا ہے۔

پھر ایک اور موقع پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اِس امر کو بڑی تفصیل سے واضح فرمایا کہ اجتماعی ذکر الٰہی پوری جماعت کو کس طرح رضائے الٰہی کی نعمتِ غیر مترقبہ سے مالامال کرنے کا موجب بنتا ہے اور کس طرح وہ عند اللہ فائز المرام ہو کر اپنی مراد کو پہنچتے ہیں۔ چنانچہ بخاری شریف کی حدیث ہے کہ:-

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلّٰهِ مَلٰٓئِكَةً يَطُوْفُوْنَ فِی الطُّرُقِ يَلْتَمِسُوْنَ اَهْلَ الذِّكْرِ فَاِذَا وَجَدُوْا قَوْمًا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ تَنَادَوْا هَلُمُّوْا اِلٰی حَاجَتِكُمْ قَالَ فَيَحُفُّوْنَهُمْ بِاَجْنِحَتِهِمْ اِلَی السَّمَاءِ الدُّنْيَا قَالَ فَيَسْأَلُهُمْ رَبُّهُمْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِهِمْ مَا يَقُوْلُ عِبَادِیْ قَالُوْا يَقُوْلُوْنَ يُسَبِّحُوْنَكَ وَيُكَبِّرُوْنَكَ وَيَحْمَدُوْنَكَ وَيُمَجِّدُوْنَكَ قَالَ فَيَقُوْلُ هَلْ رَاَوْنِیْ فَيَقُوْلُوْنَ لَا وَاللّٰهِ مَا رَاَوْكَ قَالَ فَيَقُوْلُ كَيْفَ لَوْ رَاَوْنِیْ قَالَ يَقُوْلُوْنَ لَوْ رَاَوْكَ كَانُوْا اَشَدَّ لَكَ عِبَادَةً وَاَشَدَّ لَكَ تَمْجِيْدًا وَاَكْثَرَ لَكَ تَسْبِيْحًا قَالَ فَيَقُوْلُ فَمَا يَسْأَلُوْنِیْ قَالُوْا يَسْأَلُوْنَكَ الْجَنَّةَ قَالَ يَقُوْلُ وَهَلْ رَاَوْهَا قَالَ يَقُوْلُوْنَ لَا وَاللّٰهِ يَا رَبِّ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے چند فرشتے ایسے ہیں جو راستوں میں ذکر کرنے والوں کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں اور جب ان کو اللہ کا ذکر کرنے والوں کی کوئی جماعت مل جاتی ہے تو وہ (اپنے ساتھی فرشتوں کو) پکارتے ہیں کہ آؤ اپنی حاجت کی طرف۔ حضور نے فرمایا یہ فرشتے ان لوگوں کو اپنے پروں سے دنیا کے آسمان تک ڈھانپ لیتے ہیں فرمایا (پھر ذکر کی مجلس برخاست ہونے کے بعد جب یہ فرشتے اپنے مقام پر واپس پہنچتے ہیں تو) خدا تعالےٰ ان سے دریافت کرتا ہے حالانکہ وہ ان سے زیادہ واقف ہوتا ہے کہ میرے بندے کیا کہہ رہے تھے وہ کہتے ہیں (خدایا) تیری تسبیح وتکبیر اور تحمید وتمجید کر رہے تھے! خداوند تعالےٰ فرماتا ہے (اے فرشتو!) کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے! فرشتے کہتے ہیں نہیں واللہ انہوں نے تجھ کو نہیں دیکھا۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے پھر اگر وہ مجھ کو دیکھ سکتے تو کیا ہوتا! فرشتے کہتے ہیں کہ اگر وہ تجھ کو دیکھتے تو نہایت شدت سے تیری حمد وثنا اور تسبیح وتقدیس کرتے۔ حضور نے فرمایا پھر اللہ فرماتا ہے اے فرشتو! وہ مجھ سے کس چیز کا سوال کرتے ہیں! فرشتے کہتے ہیں وہ تجھ سے جنت مانگتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کیا انہوں نے جنت کو دیکھا ہے۔ فرشتے کہتے ہیں نہیں دیکھا۔

مَا رَأَوْهَا قَالَ يَقُوْلُ فَكَيْفَ لَوْ اَنَّهُمْ رَأَوْهَا قَالَ يَقُوْلُوْنَ لَوْ اَنَّهُمْ رَأَوْهَا كَانُوْا اَشَدَّ عَلَيْهَا حِرْصًا وَاَشَدَّ لَهَا طَلَبًا وَاَعْظَمَ فِيْهَا رَغْبَةً قَالَ فَمِمَّ يَتَعَوَّذُوْنَ قَالَ يَقُوْلُوْنَ مِنَ النَّارِ قَالَ يَقُوْلُ وَهَلْ رَأَوْهَا قَالَ يَقُوْلُوْنَ لَا وَاللّٰهِ يَا رَبِّ مَا رَأَوْهَا قَالَ يَقُوْلُ فَكَيْفَ لَوْ رَأَوْهَا قَالَ يَقُوْلُوْنَ لَوْ رَأَوْهَا كَانُوْا اَشَدَّ مِنْهَا فِرَارًا وَاَشَدَّ لَهَا مَخَافَةً قَالَ فَيَقُوْلُ فَاُشْهِدُكُمْ اَنِّیْ قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ قَالَ يَقُوْلُ مَلَكٌ مِنَ الْمَلٰئِكَةِ فِيْهِمْ فُلَانٌ لَيْسَ مِنْهُمْ اِنَّمَا جَاءَ لِحَاجَةٍ قَالَ هُمُ الْجُلَسَاءُ لَا يَشْقٰى بِهِمْ جَلِيْسُهُمْ۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر دیکھتے تو کیا ہوتا! فرشتے کہتے ہیں اگر وہ اس کو دیکھتے تو بہت شدت سے اس کی خواہش کرتے ۔ پھر اللہ تعالیٰ فرشتوں سے کہتا ہے وہ پناہ کس چیز سے مانگتے ہیں ۔ فرشتے کہتے ہیں وہ دوزخ سے پناہ مانگتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا انہوں نے دوزخ کو دیکھا ہے ! فرشتے کہتے ہیں نہیں ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر اس کو دیکھتے تو کیا ہوتا ۔ ! فرشتے کہتے ہیں اگر وہ دوزخ کو دیکھتے تو اس سے اور زیادہ بھاگتے ۔ اور بہت ہی خوف کرتے ۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے فرشتو ! میں تمہیں گواہ کرتا ہوں کہ ان لوگوں کو میں نے بخشا ۔ پھر ان فرشتوں میں سے ایک فرشتہ کہتا ہے کہ ان ذکر کرنے والے لوگوں میں ایک شخص ذکر کرنے والوں میں سے نہیں تھا بلکہ کسی ضرورت سے وہاں چلا آیا تھا ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ ایسے لوگ ہیں جن کے ساتھ بیٹھنے والا بھی محروم نہیں رہتا ۔

(بخاری باب فضل ذکر اللہ تعالیٰ)

اجتماعی ذکر الٰہی کی عظیم الشان برکات کے اس تفصیلی بیان کے علاوہ ایک موقع پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث قدسی میں انفرادی اور اجتماعی ذکر الٰہی کی عظیم الشان برکات کا نہایت اختصار لیکن کمال جامعیت کے ساتھ ذکر فرمایا ۔ آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِذَا ذَكَرَنِیْ عَبْدِیْ فِیْ نَفْسِهٖ ذَكَرْتُهٗ فِیْ نَفْسِیْ وَاِذَا ذَكَرَنِیْ فِیْ مَلَاٍ ذَكَرْتُهٗ فِیْ مَلَاٍ خَيْرٍ مِنْ مَلَائِهٖ ۔ یعنی میرا بندہ جب اپنے دل میں میرا ذکر کرتا کرتا ہے تو میں بھی اپنے دل میں اس کا ذکر کرتا ہوں اور جب وہ مجلس میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں بھی اس سے بہتر مجلس میں اس کا ذکر کرتا ہوں ۔

ذکر الٰہی کے تعلق میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور صحابہؓ کو مسلسل اور بار بار پُر زور و مؤثر تلقین کا یہ نتیجہ تھا کہ صحابہؓ نہ صرف انفرادی طور پر دن رات ذکر الٰہی میں مصروف رہتے تھے بلکہ وعظ و ارشاد کی ان مجالس

میں بڑے ذوق و شوق اور خاص التزام سے شریک ہونے کی سعادت حاصل کرتے تھے جو کبھی کبھی حضورؐ منعقد فرمایا کرتے تھے اور جن کے متعلق کتب احادیث میں آتا ہے کہ کَانَ یَوْمًا بَارِزًا لِلنَّاسِ (سنن ابن ماجہ ص۲۳) یعنی ایک مقررہ دن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فیض عام کے طور پر لوگوں کے لئے باہر تشریف لاتے تھے۔ پھر اسی پہ بس نہ تھی بلکہ صحابہؓ آپس میں مل کر از خود بھی مجلسیں منعقد کر کے ان میں بکثرت اللہ تعالےٰ کا ذکر کیا کرتے تھے ایسی ہی ایک مجلس کا ذکر حضرت امیر معاویہؓ سے مروی ہے۔ انہوں نے بیان کیا:۔

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ عَلٰى حَلْقَةٍ مِنْ أَصْحَابِهٖ فَقَالَ مَا يُجْلِسُكُمْ قَالُوْا جَلَسْنَا نَذْكُرُ اللّٰهَ وَنَحْمَدُهٗ لِمَا هَدَانَا لِلْإِسْلَامِ وَمَنَّ عَلَيْنَا بِهٖ فَقَالَ آللّٰهُ مَا أَجْلَسَكُمْ إِلَّا ذَاكَ قَالُوْا وَاللّٰهِ مَا أَجْلَسَنَا إِلَّا ذَاكَ قَالَ أَمَا إِنِّيْ لَمْ أَسْتَحْلِفْكُمْ تُهْمَةً لَكُمْ وَلٰكِنْ أَتَانِيْ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَأَخْبَرَنِيْ أَنَّ اللّٰهَ يُبَاهِيْ بِكُمُ الْمَلٰئِكَةَ،

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ایک گروہ کے پاس آئے اور فرمایا تم کس غرض سے یہاں بیٹھے ہو انہوں نے کہا ہم یہاں اللہ تعالےٰ کا ذکر اور اس کی حمد کرنے بیٹھے ہیں کہ اس نے ہمیں اسلام کی ہدایت سے نوازا اور اس طرح ہم پر احسان کیا۔ آپؐ نے فرمایا بخدا کیا تم صرف اسی غرض سے یہاں بیٹھے ہو۔ انہوں نے عرض کیا بخدا ہم صرف اسی غرض سے یہاں بیٹھے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا میں تہمت کے ڈر سے تم سے حلف نہیں لیتا لیکن میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میرے پاس جبرائیل علیہ السلام آئے اور انہوں نے مجھے بتایا کہ خدا تعالےٰ تمہاری وجہ سے فرشتوں کے سامنے فخر کا اظہار کرتا ہے۔

ان احادیث سے ظاہر ہے کہ انفرادی ذکر کے علاوہ علی الخصوص اجتماعی ذکر الٰہی کس قدر عظیم الشان برکات کا حامل ہوتا ہے باہم مل کر اپنے اوقات ذکرِ الٰہی میں بسر کرنے والوں کے گرداگرد فرشتے آجاتے ہیں وہ ان کو اپنے پروں میں ڈھانپ لیتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ کی رحمت ان پر چھا جاتی ہے اور سکینت ان پر نازل ہوتی ہے، اللہ تعالےٰ ان سے اس حد تک خوش ہوتا ہے کہ وہ ان کا ذکر اپنے مقرب فرشتوں سے کرتا ہے اور ان کے سامنے فخر کا اظہار کرتا ہے اور پھر ان فرشتوں کو گواہ ٹھہرا کر پہلے ہی سے ان کی بخشش کا اعلان کر دیتا ہے حتیٰ کہ اس بخشش سے ان کے طفیل وہ شخص بھی نوازا جاتا ہے جو ذکرِ الٰہی کی نیت سے نہیں بلکہ کسی اور ضرورت سے ان کے درمیان آ بیٹھا ہو۔ کیا فضیلت ہے ذکرِ الٰہی کی اور کیا شان اور مرتبہ ہے ایسے ذاکرینِ الٰہی کا جن کے متعلق خدا کا ارشاد یہ ہے کہ ان کے ساتھ بیٹھنے والا بھی محروم نہیں رہتا۔ سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم۔

اجتماعی ذکر الٰہی کی ان عظیم الشان برکات سے بہرہ ور ہونے کا ایک انمول موقع انصار اللہ کا سالانہ اجتماع مہیا کرتا ہے۔ یہ اجتماع باہم مل کر وسیع پیمانہ پہ ذکر الٰہی کرنے کی غرض سے ہی منعقد ہوتا ہے چنانچہ اس میں تین دن رات اس کثرت سے ذکرِ الٰہی ہوتا ہے اور اس کی انقلاب انگیز تاثیرات منصۂ شہود پہ آ کر ایسا روح پرور سماں باندھتی ہیں کہ اس میں شریک ہونے والے ہزاروں انصار یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہتے کہ وہ ایک نئے آسمان کے نیچے نئی زمین پہ زندگی بسر کر رہے ہیں جہاں ہر طرف نور ہی نور ہے اور سرور ہی سرور۔ اجتماع میں ہونے والے ذکر الٰہی کی ان انقلاب انگیز تاثیرات کا ایک منہ بولتا ثبوت یہ ہے کہ جو بھی اس مقدس و بابرکت اجتماع میں ایک دفعہ شامل ہونے کی سعادت حاصل کر لیتا ہے وہ بس اس کا گرویدہ ہو جاتا ہے تین دن اس کے روح پرور ماحول میں گزارنے کے بعد وہ اس عزم بالجزم کے ساتھ ہی واپس لوٹتا ہے کہ وہ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَذَرُوا الْبَیْعَ کے خدائی حکم پر تاحیات عمل کرنے کی کوشش کرے گا اور خدا تعالیٰ سے یہ توفیق مانگتا چلا جائیگا کہ آئندہ وہ سال بہ سال اس مقدس و بابرکت اجتماع میں شمولیت کی سعادت سے بہرہ ور ہو کر اجتماعی ذکر الٰہی کی انقلاب انگیز تاثیرات اور عظیم الشان برکات سے بہرہ مند ہوتا چلا جائے اور کبھی بھی کوئی دنیوی مصروفیت، نفس کی کسل مندی یا غفلت اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی شومئی قسمت اسے اس سعادتِ عظمیٰ اور روحانی نعمتوں کے خوانِ یغما سے محروم نہ کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ جو بھی اس میں ایک دفعہ شامل ہوتا ہے وہ سال بہ سال پورے عزم و تعہد اور خاص التزام کے ساتھ اس میں شامل ہوتا چلا جاتا ہے اور کبھی عدم شمولیت کا خیال بھی اس کے دل میں نہیں آتا۔

امسال ہمارا یہ اجتماع سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی منظوری سے ۲۸، ۲۹، ۳۰ر اکتوبر کو حسب معمول ربوہ کی مقدس سرزمین میں منعقد ہونا قرار پایا ہے۔ ان تاریخوں کے اعلان کے ساتھ ہی ملک کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک پھیلی ہوئی مجالس انصار اللہ کے لذت یاب اراکین میں خوشی و مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی ہے اور وہ بڑی بیتابی سے اجتماع کے انعقاد کا انتظار کر رہے ہیں۔ وہ ان بابرکت دنوں کے انتظار میں گن گن کر دن گزار رہے ہیں کہ کب یہ دن آئیں اور انہیں دن اور رات اجتماعی ذکرِ الٰہی میں شریک ہو کر آسمان سے ملائکہ کے اترنے، خدائی رحمت کے چھا جانے اور قلوب میں اطمینان و سکینت کے نازل ہونے کو خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرنے اور اپنے وجود میں محسوس کرنے کی غیر معمولی سعادت میسر آئے ——— ہم جانتے ہیں کہ ان کی غیر معمولی بیتابی اور اضطراب کی ایک خاص وجہ ہے اور وہ یہ کہ اس دفعہ اجتماع دو سال کے وقفہ کے بعد منعقد ہو رہا ہے۔ کیونکہ گزشتہ سال ملک میں ہنگامی حالات کی وجہ سے اجتماع منعقد نہیں ہو سکا تھا اور انہیں بامر مجبوری اس میں شمولیت کی سعادت سے محروم رہنا پڑا تھا۔ وہ اپنی اس

محرومی کی تلافی کے لئے اگر غیر معمولی طور پر بے چین ہیں تو ان کی یہ فطرتی تڑپ بے چینی بلا وجہ نہیں ہے۔ ان کی یہ بے چینی بہت مبارک ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے ماتحت عظیم الشان برکتوں، بے شمار رحمتوں اور گرانقدر خدائی انعاموں کا پیش خیمہ ثابت ہونے والی ہے۔

پھر ان کی طرف سے اجتماع کے بابرکت ایام کے بے تابانہ انتظار کی ایک اور وجہ بھی ہے اس لئے کہ یہ اجتماع اگرچہ ترتیب کے اعتبار سے گیارہواں سالانہ اجتماع ہے لیکن اسے یہ امتیازی خصوصیت حاصل ہے کہ یہ خلافتِ ثالثہ کے نئے مقدس و بابرکت دور کا، جو خدائی وعدوں کے بموجب آئندہ ملنے والی نئی عظیم الشان کامیابیوں اور کامرانیوں کا دور ہے، پہلا اجتماع ہے۔ خلافتِ ثالثہ کی شکل میں اللہ تعالیٰ نے قدرتِ ثانیہ کی ایک اور عظیم بالشان تجلّی ظاہر فرما کر جماعت احمدیہ پر ایک بار پھر جو احسانِ عظیم فرمایا ہے اس پر گزشتہ جلسۂ سالانہ کے بعد اجتماع انصار اللہ کی شکل میں انصار کے لئے اجتماعی طور پر شکرِ ایزدی کے عملی اظہار کا ایک اور موقع پیدا ہو رہا ہے وہ بھلا اظہارِ شکر کے اس بیش بہا موقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے کیوں بے تاب نہ ہوں۔
خلافتِ ثالثہ کے نئے مبارک دور میں انصار اللہ کا پہلا مرکزی اجتماع ہونے کے باعث یہ اجتماع غیر معمولی برکتوں رحمتوں اور فضلوں کا حامل ہے۔ وہ ان غیر معمولی برکتوں، رحمتوں، اور فضلوں سے اپنے دامن بھرنے اور ان کی وجہ سے حاصل ہونے والے روحانی ثمرات سے مالا مال ہونے کے لئے کیوں مضطرب اور بے چین نہ ہوں۔
مبارک ہے ان کا یہ اضطراب اور سراپا برکت ہے ان کی یہ بے چینی کیونکہ اس اضطراب اور اس بے چینی میں اتنا ہی زیادہ آرام و راحت اور اطمینان و سکینت کا سامان چھپا ہوا ہے۔ جب خدائے بے ہمتا کے احسانِ بے پایاں پر اظہار تشکر کے طور پر اجتماع کے بابرکت ایام میں اور بھی زیادہ ذوق و شوق کے ساتھ ذکرِ الٰہی بلند ہوگا اور دن اور رات کا ہر ہر لمحہ اور ہر ہر ثانیہ اور بھی زیادہ جذبہ و جوش کے ساتھ خدا تعالیٰ کی تسبیح و تحمید اور تکبیر و تمجید میں بسر ہوگا تو انشاء اللہ العزیز خدائے رحمٰن و رحیم کے حکم سے اس کے فرشتے آسمان سے نازل ہو ہو کر ان شاکر ذاکرین کو اور بھی زیادہ اپنے پروں سے ڈھانپ لیں گے اور ان پر روحانی سکینت و بشاشت کی موسلا دھار بارشیں برسائیں گے۔ ایسی بارشیں جو آن کی آن میں دلوں کی کشتِ روحانیت کو آنکھوں کو ٹھنڈک اور تراوت پہنچانے والی سرسبزی و شادابی سے ہمکنار کر دیتی ہیں۔ اس طرح ہمارا صادق الوعد خدا ذاکرینِ الٰہی کے حق میں اپنے مخبر صادق صلے اللہ علیہ وسلم کی زبانِ لطیف ترجمان و معجز بیان سے دی ہوئی بشارت کو پورا کر دکھائے گا۔ انشاء اللہ العزیز وباللہ التوفیق۔
سالہائے گزشتہ میں اس اجتماع کی عظیم الشان برکات سے بہرہ یاب ہونے والے خوش خصال و فرخندہ حال انصار تو آئیں گے ہی۔ دراصل وہی ہیں جو نہایت درجہ مقدس و بابرکت اجتماع کے انتظار

میں گِن گِن کر دن گزار رہے ہیں۔ البتہ اس موقع پر ہم اپنے ان انصار بھائیوں کی خدمت میں، جو روحانی نعماء کے اس خوانِ یغما سے اب تک ایک دفعہ بھی بہرہ ور نہیں ہوئے اور ان کے کام و دہن کو تاحال اس کی نعمتوں سے لذّت یاب ہونے کی سعادت میسر نہیں آئی، عرض کرتے ہیں کہ ان کے لئے خاص طور پر یہ سنہری موقع ہے کہ وہ اپنی شمولیت کا آغاز اس سال کے تاریخی اجتماع سے کریں جو کئی وجوہ کی بنا پر بے اندازہ اہمیت اور خیر و برکت کا حامل ہے۔ وہ بھی آئیں اور ضرور آئیں اور ملائکہ کے نزول اور ان کی پاک تاثیرات اور انتشارِ روحانیت کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کریں اور اس کے نتیجہ میں رونما ہونے والی پاک تبدیلی کو خود اپنے اندر محسوس کریں اور اس غیر معمولی روحانی کیف و سرور سے بہرہ یاب ہوں جس سے انہوں نے محض عدم توجہی کی وجہ سے اپنے آپ کو محروم کر رکھا ہے۔ کوئی عجب نہیں کہ احادیث میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بیان فرمودہ بشارت کے مطابق جب اجتماع میں ہونے والے ذکرِ الٰہی کا ملاءِ اعلیٰ میں تذکرہ ہو اور خدا خود اپنے فرشتوں سے اس کا ذکر کرے تو وہ خوش ہو کر اجتماع میں شریک خوش بخت و خوش نصیب مومنوں کے حق میں اپنے فرشتوں سے کہہ دے فَاُشْهِدُكُمْ اَنِّيْ قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ۔

اس سے بڑی سعادت اور اس سے بڑی خوش بختی اور کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خاص فضل کے ماتحت ایک انسان کا شمار ان لوگوں میں ہو جائے جن کے متعلق خدا تعالیٰ اپنے فرشتوں کو گواہ ٹھہرا کر خود ارشاد فرمائے کہ میں نے انہیں اپنے پاس بلانے سے پہلے ہی بخش دیا۔ یہ اتنی بڑی خوش بختی و خوش نصیبی ہے کہ انسان اس کے لئے اپنا کاروبار اور دیگر دنیوی مصروفیات ترک کرنا تو کجا اگر اپنا سب کچھ بھی قربان کر دے تو کم ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے فضل سے ہم سب کو اجتماعی ذکر الٰہی اور اس تاریخی اجتماع کی عظمت و اہمیت اور روحانی لحاظ سے اس کی بے اندازہ افادیت کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ دور و نزدیک رہنے والے ہمارے انصار بھائی اپنے کاروبار اور دیگر دنیوی مصروفیات کو ترک کر کے دلی ذوق و شوق کے ساتھ اس میں شمولیت کے لئے دیوانہ وار کھچے چلے آئیں، ملک کے کونہ کونہ سے آئیں اور فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ کے قرآنی حکم کے مطابق دوڑتے ہوئے آئیں اور اس کثرت سے آئیں کہ ان کی کثرت کو دیکھ کر آسمان پر فرشتے بھی عش عش کر اٹھیں۔ پھر دن اور رات اپنے اوقات کو اس طرح ذکر الٰہی میں بسر کریں کہ فرشتے آپس میں ایک دوسرے کو یہ کہہ کر پکارتے ہوئے سنائی دیں۔ هَلُمُّوْا اِلٰى حَاجَتِكُمْ هَلُمُّوْا اِلٰى حَاجَتِكُمْ اور پھر واپس جا کر علّام الغیوب خدا کو خوشخبری دیں۔ اَللّٰهُمَّ عِبَادُكَ يُسَبِّحُوْنَكَ وَيُكَبِّرُوْنَكَ وَيَحْمَدُوْنَكَ وَيُمَجِّدُوْنَكَ اور خدا تعالیٰ ان فرشتوں کو ہی گواہ ٹھہرا کر کہے اَنِّيْ قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ۔ آمین اللّٰھم آمین۔ یا ارحم الراحمین۔ آمین

-٭-

:- کلماتِ طیّبات حضرت مسیح موعود علیہ السّلام :-

ایمان کی آبپاشی اعمالِ صالحہ سے ہوتی ہے

اگر یہ آبپاشی نہ ہو تو ایمان خشک ہو جاتا ہے

امام الزمان سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نعماءِ بہشت کی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

" یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ جو لکھا ہے کہ بہشت میں دودھ اور شہد کی نہریں ہوں گی تو اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ وہاں گایوں کا ایک گلہ ہوگا اور بہت سے گوالے ہوں گے جو دودھ دوہ دوہ کر ایک نہر میں ڈالتے رہیں گے یا بہت سے چھتے شہد کی مکھیوں کے ہوں گے اور پھر ان کا شہد جمع کر کے نہروں میں گرایا جاوے گا۔ یہ مطلب نہیں۔ اللہ تعالےٰ نے جو مجھ پر ظاہر کیا ہے وہ یہ ہے کہ یہ بات نہ ہو گی۔ اگر یہی خربوزہ اور تربوز یا انار ہوں تو پھر یہ بات کیا ہوئی۔ کافر بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے یہاں اِس دنیا میں کھا لئے تم نے آگے جا کر کھا لئے۔

اِس کی حقیقت جو اللہ تعالےٰ نے مجھ پر کھولی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن شریف میں فرمایا وَبَشِّرِ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ۔ یعنی جو لوگ ایمان لاتے اور اچھے عمل بجا لاتے ہیں وہ ان باغوں کے وارث ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے ایمان کو باغ کے ساتھ مشابہت دی جس کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ اس میں بہشت کی حقیقت اللہ تعالےٰ نے بتائی ہے گویا جو رشتہ نہروں کو باغ کے ساتھ ہے وہی تعلق اور رشتہ اعمال کا ایمان کے ساتھ ہوتا ہے جس طرح پر کوئی باغ یا درخت بغیر پانی کے سرسبز نہیں رہ سکتا اسی طرح پر کوئی ایمان بغیر اعمالِ صالحہ کے زندہ اور قائم نہیں رہ سکتا۔ اگر ایمان ہو اور اعمالِ صالحہ نہ ہوں تو ایمان ہیچ ہے اور اگر اعمال ہوں اور ایمان نہ ہو تو وہ اعمال ریاء کاری ہیں۔ پس قرآن شریف نے جو بہشت پیش کیا ہے اس کی حقیقت اور فلاسفی یہی ہے کہ وہ اس دنیا کے ایمان اور اعمال کا ایک ظل ہے اور ہر شخص کی بہشت

اس کے اپنے اعمال اور ایمان سے شروع ہوتی ہے اور اس دُنیا میں ہی اس کی لذّت محسوس ہونے لگتی ہے اور پوشیدہ طور پر ایمان اور اعمال کے باغ اور نہریں نظر آتی ہیں۔ لیکن عالم آخرت میں یہی باغ کھلے طور پر محسوس ہوں گے اور ان کا ایک خارجی وجود نظر آجائے گا۔ قرآن شریف سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ایمان کی آب پاشی اعمال صالحہ سے ہوتی ہے۔ بغیر اس کے وہ خشک ہو جاتا ہے۔ پس یہاں دو باتیں بیان کی ہیں ایک یہ کہ وہ بہشت، باغ ہے۔ دوسرے یہ کہ ان درختوں کی نہروں سے آب پاشی ہوتی ہے۔ قرآن شریف کو پڑھو اور اوّل سے آخر تک اس پر غور کرو تب اس کا مزہ آئے گا کہ حقیقت کیا ہے۔

ہم مجاز اور استعارہ ہرگز پیش نہیں کرتے بلکہ یہ حقیقت الامر ہے۔ وہ خدا تعالےٰ جس نے عدم سے انسان کو بنایا ہے اور جو خلق جدید پر قادر ہے وہ یقیناً انسان کے ایمان کو اشجار سے متمثل کر دے گا اور اعمال کو انہار سے متمثل کرے گا اور واقعی طور پر دکھا دے گا یعنی ان کا وجود فی الخارج بھی نظر آئے گا۔ اس کی مختصر سی مثال یوں بھی سمجھ میں آسکتی ہے کہ جیسے انسان خواب میں عمدہ اور شیریں پھل کھاتا ہے اور ٹھنڈے اور خوشگوار پانی پیتا ہے اور فی الواقعہ وہ پھل اور آب سرد ہوتا ہے۔ اُس وقت اس کے ذہن میں کوئی دوسرا امر نہیں ہوتا۔ پھلوں کو کھا کر سیری ہوتی اور پانی پی کر فی الواقعہ پیاس دور ہوتی ہے۔ لیکن جب اٹھتا ہے تو نہ اُن پھلوں کا کوئی وجود ہوتا ہے اور نہ اُس پانی کا۔ اسیطرح پر جیسے اس حالت میں اللہ تعالےٰ ان اشیاء کا ایک وجود پیدا کر دیتا ہے، عالم آخرت میں بھی ایمان اور اعمال صالحہ کو اس صورت میں متمثل کر دیا جائے گا۔

اسی لئے فرمایا ہے هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ۔ اس کے اگر یہ معنے کریں کہ وہ جنتی جب ان پھلوں اور میووں کو کھائیں گے تو یہ کہیں گے کہ یہ وہ پھل اور خربوزے یا تربوز یا انار ہیں جو ہم نے دنیا میں کھائے تھے تو یہ ٹھیک نہیں کیونکہ اس طرح پر تو وہ لذت بخش چیز نہیں ہو سکتے اور یہ نعماء جنت کی حقارت ہے۔ اگر کوئی شخص مثلاً کشمیر میں جاوے اور وہاں کی ناشپاتیاں کھا کر کہے کہ یہ تو وہی ناشپاتیاں ہیں جو پنجاب میں کھائی تھیں یہ صریحاً ان ناشپاتیوں کی حقارت ہے۔ پس اگر بہشت کی نعماء کی بھی یہی مثال ہے تو یہ خوشی نہیں بلکہ ان سے بیزاری ہے۔ اس لئے اس کا یہ مفہوم اور مطلب نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ بہشتی لوگ جو اس دنیا میں بڑے عابد اور زاہد تھے جب وہ اپنے ایمان اور اعمال صالحہ کے تمثلات سے لطف اٹھائیں گے تو ان کو وہ ایمانی لذت آجائے گی اور ان مجاہدات اور اعمال صالحہ کا مزہ آجائے گا جو اس عالم میں انہوں نے کئے تھے اس لئے وہ کہیں گے هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ

غرض جس قدر قرآن شریف کو کوئی تدبّر اور غور سے پڑھے گا اسی قدر وہ اِس حقیقت کو سمجھ لے گا کہ ان لذّات کا تمثیلی رنگ میں فائدہ اٹھائے گا۔ محبت الٰہی کی لذات ہیں۔ لذت کا لفظ جو مفہوم اپنے اندر رکھتا ہے وہ جسمانی لذت کے مفہوم سے ہزاروں درجہ زیادہ روحانی لذت میں رکھتا ہے اگر اُس کی محبت کی لذت میں غیر معمولی سیری اور سیرابی نہ ہو تو اللہ تعالےٰ کے محب جسمانی لذات کو ترک کیوں کریں۔ یہاں تک کہ بعض اس قسم کے بھی ہو گزرے ہیں جنہوں نے سلطنت تک کو چھوڑ دیا۔ چنانچہ ابراہیم ادہم نے سلطنت چھوڑ دی اور انبیاء علیہم السلام نے ہزاروں لاکھوں مصائب

کو برداشت کیا۔ اگر وہ لذّت اور ذوق اس محبت الٰہی کی تہہ میں نہ تھا جو انہیں کشاں کشاں لئے جاتا تھا تو پھر کیا بات تھی کہ اس قدر مصائب کو انہوں نے خوشی کے ساتھ اٹھالیا۔۔۔۔۔ مختصر یہ کہ خدا تعالےٰ کی محبت کی لذّت ساری لذتوں سے بڑھ کر ثابت ہوتی ہے۔ پس وہ لذات جو بہشت میں ملیں گی یہ دہی لذتیں ہیں جو پہلے اٹھاچکے ہیں۔۔۔۔ اگر کہو کہ وہ نعمتیں کیونکر ہوں گی؟ تو اس کا جواب صاف ہے۔ اللہ تعالےٰ خلق جدید پر قادر ہے۔ خود انسان کا اپنا وجود بھی خیالی ہے جس قطرہ سے پیدا ہوتا ہے وہ کیا چیز ہے؟ پھر خیال کرو اس سے کیا اچھا انسان بناتا ہے، کیسے عقلمند، خوبصورت، بہادر۔ پھر وہی خدا ہے جو دوسرے عالم میں خلق جدید کرے گا۔ دیکھنے میں وہ لذات اور میوہ جات ہمرنگ ہوں گے لیکن کھانے میں ایسے لذیذ ہوں گے کہ نہ کسی آنکھ نے ان کو دیکھا، نہ کسی کان نے سنا، نہ کسی زبان نے ان کو چکھا، اور نہ وہ کسی خیال میں گزرے۔

بہشت کی لذات میں ایک اور بھی خوبی ہے جو دنیا کی لذتوں میں اور جسمانی لذتوں میں نہیں ہے۔ مثلاً انسان روٹی کھاتا ہے تو دوسری لذتیں اسے یاد نہیں رہتیں۔ مگر بہشت کی لذات نہ صرف جسم ہی کے لئے ہوں گی بلکہ روح کے لئے بھی لذت بخش ہوں گی۔ دونوں لذتیں اس میں اکٹھی ہوں گی اور پھر اس میں کوئی کثافت نہ ہوگی۔ اور سب سے بڑھ کر جو لذت ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا۔ مگر دیدار الٰہی کے لئے یہ ضروری ہے کہ یہاں ہی سے تیاری ہو اور اس کے دیکھنے کیلئے یہاں ہی سے انسان آنکھیں لے جاوے۔ جو شخص یہاں تیاری کرکے نہ جاوے گا وہ وہاں محروم رہے گا۔ چنانچہ فرمایا مَن کَانَ فِی ھٰذِہٖٓ اَعمٰی فَھُوَ فِی الاٰخِرَۃِ اَعمٰی۔ اس کے یہ معنے نہیں کہ جو لوگ یہاں نابینا اور اندھے ہیں وہ وہاں بھی اندھے ہوں گے۔ نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دیدار الٰہی کے لئے یہاں سے حواس اور آنکھیں لے جاوے۔ اور ان آنکھوں کے لئے ضرورت ہے تبتّل کی، تزکیۂ نفس کی، اور یہ کہ خدا تعالیٰ کو سب پر مقدم کرو اور خدا تعالےٰ کے ساتھ دکھیو، سنو اور بولو۔ اسی کا نام فنا فی اللہ ہے۔ اور جب تک یہ مقام اور درجہ حاصل نہیں ہوتا، نجات نہیں۔

ہاں یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے ساتھ ایسا تعلق قوی اور محبت صافی تب ہوسکتی ہے جب اس کی ہستی کا پتہ لگے۔ دنیا اس قسم کے شبہات کے ساتھ خراب ہوئی ہے۔ بہت سے تو کھلے طور پر دہریہ ہوگئے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو دہریہ تو نہیں ہوئے مگر ان کے رنگ میں رنگین ہیں اور اسی وجہ سے دین میں سُست ہو رہے ہیں۔ اس کا علاج یہی ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ سے دعا کرتے رہیں تا ان کی معرفت زیادہ ہو۔ اور صادقوں کی صحبت میں رہیں جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور تصرف کے تازہ بتازہ نشان دیکھتے رہیں۔ پھر وہ جس طرح چاہے گا اور جس راہ سے چاہے گا معرفت بڑھادے گا۔ اور بصیرت عطا کرے گا، اور ثلج قلب ہو جائے گا۔"

(ملفوظات جلد ۸ صـ۵۷ تا صـ۶۲)

منظوم عربی کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

وَاَرُنَانِیْ جِنَانِیْ فِیْ جَنَانِیْ

(میرا بہشت اس نے میرے دل میں ہی دکھا دیا)

هَوِيتُ الْحِبَّ حَتّٰى صَارَ رُوحِيْ　　وَاَرُنَانِيْ جِنَانِيْ فِيْ جَنَانِيْ

میں نے اس پیارے (خدا) سے محبت کی یہاں تک کہ وہ میری جان ہوگیا اور میرا بہشت اس نے میرے دل میں ہی دکھا دیا

بِوَجْهِ الْحِبِّ لَسْتُ حَرِيْصَ مُلْكٍ　　كَفَانِيْ مَا اَرٰى نَفْسِيْ كَفَانِيْ

اس پیارے کی قسم ہے کہ میں کسی ملک کا حریص نہیں اور یہ میرے لئے کافی ہے کہ میں اپنے نفس کو فنا کی حالت میں دیکھتا ہوں

عَمُوْدُ الْخَشْبِ لَا اَبْغِيْ لِسَقْفِيْ　　وَحِبِّيْ صَارَ لِيْ مِثْلَ الْبَوَانِ

میں لکڑی کے ستون اپنی چھت کے لئے نہیں چاہتا اور میرا پیارا میرے لئے ایسا ہوگیا ہے جیسا کہ ستون

وَرِثْنَا الْمَجْدَ مِنْ ذِي الْمَجْدِ حَقًّا　　وَصُبِّغْنَا بِمَحْبُوْبٍ مُقَانِيْ

ہم نے بزرگی کو خدائے ذوالمجد سے پایا اور اس ملنے والے پیارے کے رنگ سے ہم رنگے گئے

دَخَلْتُ النَّارَ حَتّٰى صِرْتُ نَارًا　　وَنَخْلِيْ فَاقَ اَفْكَارَ الْاَفَانِيْ

میں آگ میں داخل ہوا یہاں تک کہ میں آگ ہی ہوگیا اور میری کھجور گھات پات کے فکر دل سے بہت بلند بڑھ گئی

خُمُوْرِيْ مُنْتَقَاةٌ غَيْرُ كَدْرٍ　　مُشَعْشَعَةٌ بِمَاءِ الْاِقْتِرَانِ

میری شراب ایک چنی ہوئی شراب ہے اور مصفّا ہے جس میں الٰہی محبت کا پانی ملایا گیا ہے۔

وَلَسْتُ مُوَارِيًا عَنْ عَيْنِ رَبِّيْ　　وَاِنَّ اللّٰهَ خَلَّاقِيْ يَرَانِيْ

اور میں اپنے رب کی آنکھ سے پوشیدہ نہیں ہوں اور خدا جو میرا پروردگار ہے مجھے دیکھ رہا ہے،

منظوم فارسی کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

از مکافاتِ عمل غافل مشو

(تُو عمل کے بدلہ سے غافل نہ ہو۔)

یک نظر بیں سوئے ایں دنیائے دوں　　چوں بگردی از پئے آں سرنگوں
ذرا اس ذلیل دنیا پہ نظر ڈال کہ کس طرح تُو اس کے پیچھے سرنگوں پھر رہا ہے۔

آنچہ داری از متاع و منزلت　　بے مشقّت ہا نگشتہ حاصلت
جو کچھ بھی سامان اور عزّت تیرے پاس ہے وہ تجھے بغیر محنت کے حاصل نہیں ہوئی

بایدت تا مدّتے جہدِ دراز　　تا خوری از کشتِ خود نانے فراز
ایک لمبے عرصہ کی کوشش درکار ہے تا کہ تُو اپنی کھیتی سے روٹی کھائے

چوں ہمیں قانونِ قدرت اوفتاد　　پس ہمیں یاد آر در کشتِ معاد
جب قانون قدرت ایسا ہی واقع ہوا ہے تو آخرت کی کھیتی کے لئے بھی یہی بات یاد رکھ

خوب گفت آں قادرِ ربّ الورٰی　　لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی
رب العالمین قادر خدا نے کیا خوب فرمایا ہے کہ انسان کو اپنی کوشش کے پھل کے سوا اور کچھ نہیں ملتا۔

ہم دریں معنیست گر تو بشنوی!　　یادگارِ مولوی در مثنوی
اگر تو سنے تو اسی مطلب کا مضمون وہ بھی ہے جو مثنوی مولوی معنوی کی یادگار ہے

گندم از گندم بروید جو ز جو　　از مکافاتِ عمل غافل مشو
کہ گیہوں سے گیہوں پیدا ہوتا ہے اور جو سے جو پس عمل کے بدلہ سے غافل نہ ہو

(ضیاء الحق صفحہ ۱۱)

ذکرِ الٰہی کی اہمیت

(رقم فرمودہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس مجلس میں خدا تعالیٰ کا ذکر ہو رہا ہو اس کے اردگرد فرشتے اکٹھے ہو جاتے اور اللہ کی رحمت اور برکت لاکر بیٹھنے والوں پر ڈالتے ہیں۔ پس جب ذکر الٰہی ایک ایسی اعلیٰ چیز ہے کہ اس کے سننے کے لئے فرشتے بھی اکٹھے ہو جاتے ہیں اور سننے والوں پر رحمت نازل کرتے ہیں تو سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ کیسی اہم چیز ہے۔ . . . جو ذکر کرے گا اس کے پاس فرشتے جمع ہوں گے اور جتنا زیادہ کریگا اتنے ہی زیادہ فرشتے آئیں گے۔ اور اسے نیک کاموں کی تحریکیں کریں گے۔ فرشتوں کا آنا کوئی خیالی بات نہیں بلکہ یقینی ہے۔ میں نے خود فرشتوں کو دیکھا ہے اور ایک دفعہ تو بے تکلفی سے باتیں بھی کی ہیں۔ تو ذکر کرنے والے کے پاس ملائکہ آتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ان کی دوستی اور تعلق ہو جاتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (المنفقون ع۲)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا (الاحزاب ع۶)

اے مومنو! تم کو مال اور اولاد اللہ کا ذکر کرنے سے روک نہ دے۔ تم اللہ کا ذکر کرنے میں کسی رکاوٹ کی پرواہ نہ کرو۔ اور کوئی کام تمہارا ایسا نہ ہو جس کو کرتے ہوئے اللہ کے ذکر کو چھوڑ دو۔ اللہ کا ذکر کثرت سے کرو اور صبح اور شام اس کی تسبیح بیان کرو۔

اسیطرح رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اور ابو موسیٰ اشعری رضؓ کی روایت ہے کہ مَثَلُ الَّذِیْ یَذْكُرُ رَبَّهٗ وَالَّذِیْ لَا یَذْكُرُهٗ مَثَلُ الْحَیِّ وَالْمَیِّتِ لَا یَقْعُدُ قَوْمٌ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلَآئِكَةُ (رواہ البخاری) کہ اس شخص کی مثال جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے اور جو نہیں کرتا ایسی ہی ہے جیسے زندہ اور مردہ کی۔ یعنی وہ جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے وہ زندہ ہوتا ہے اور جو نہیں کرتا وہ مردہ۔

اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ذکر اللہ کس قدر اہم اور ضروری ہے۔ پھر ترمذی میں روایت ہے ابی درداءؓ کہتے ہیں کہ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلَا اُنَبِّئُکُمْ بِخَیْرِ اَعْمَالِکُمْ وَاَزْکَاھَا عِنْدَ مَلِیْکِکُمْ وَاَرْفَعِھَا فِیْ دَرَجَاتِکُمْ وَخَیْرٌ لَّکُمْ مِنْ اِنْفَاقِ الذَّھَبِ وَالْفِضَّۃِ وَخَیْرٌ لَّکُمْ اَنْ تَلْقَوْا عَدُوَّکُمْ فَتَضْرِبُوْا اَعْنَاقَھُمْ وَیَضْرِبُوْنَ اَعْنَاقَکُمْ قَالُوْا بَلٰی۔ قَالَ ذِکْرُ اللّٰہِ تَعَالٰی۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے اصحاب کیا میں تمہیں ایسی بات نہ بتاؤں جو سب سے بہتر اور سب سے پسندیدہ ہو، اور سونے چاندی کے خرچ کرنے سے بھی بہتر ہو، اور اس سے بہتر ہو کہ کوئی جہاد کے لئے جائے اور دشمنوں کو قتل کرے اور خود بھی شہید ہو جائے۔ صحابہؓ نے کہا فرمائیے۔ آپؐ نے کہا وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ذکر الٰہی کا درجہ بہت بلند ہے۔ صحابہؓ نے کہا یا رسول اللہ! کیا جہاد سے بھی اس کا درجہ بلند ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہاں اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ذکرِ الٰہی جہاد کی ترغیب دیتا ہے

ذکر الٰہی کی اہمیت اور ضرورت

لیکن ذکرِ الٰہی کے بعض حصے ایسے ہیں کہ جن کی طرف ہماری جماعت کی توجہ نہیں اور اگر ہے تو بہت کم ہے۔ میری فطرت میں خدا تعالیٰ نے بچپن سے ہی سوچنے اور غور کرنے کا مادہ رکھا ہے۔ میں اس وقت سے کہ میں نے ہوش سنبھالا ہے اس بات کو سوچتا رہا ہوں اور اب بھی اس کی فکر ہے کہ ہماری جماعت میں ذکرِ الٰہی کی جو کمی ہے اسے دور کیا جائے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے دعا پر بہت بڑا زور دیا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہماری جماعت دعا سے بہت کام لیتی ہے۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ذکرِ الٰہی پر بھی بہت زور دیا ہے۔ لیکن اس کی طرف جیسی توجہ کرنی چاہیئے اس وقت تک ایسی نہیں کی گئی۔ ایک بہت بڑی وجہ تو یہ ہے کہ انگریزی تعلیم نے کچھ خیالات بدل دیئے ہیں اور یورپین تعلیم کے اثر سے لوگ خیال کرتے ہیں کہ یونہی خدا کا نام لینے سے کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے اگر کوئی الگ بیٹھ کر کہتا رہے کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یا خدا قدوس ہے۔ علیم ہے، خبیر ہے، قادر ہے، خالق ہے، تو اس سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے، کچھ نہیں، اس لئے اس طرح کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہماری جماعت کے لوگ بھی چونکہ انگریزی تعلیم سے شغل رکھتے ہیں اس لئے وہ بھی اس اثر کے نیچے آ گئے ہیں۔ دوسرے ہماری جماعت میں وہ لوگ ہیں جو زمیندار طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ لوگ پہلے ہی نہ جانتے تھے کہ ذکر الٰہی کیا چیز ہے اور اس کا کیا فائدہ ہے۔ اس لئے جب تک ان سب کو اچھی طرح نہ بتلایا جاتے اور عمدہ طریق سے نہ سمجھا دیا جاتا اُس وقت تک وہ اس طرف توجہ نہیں کر سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں ذکر اللہ کم ہے۔

نماز بھی ذکر اللہ ہی ہے جس کی ہماری جماعت میں خدا کے فضل سے پوری پوری پابندی کی جاتی ہے مگر اس کے سوا اور بھی ذکر اللہ ہیں جن کا ہونا ضروری اور لازمی ہے۔ ان کے متعلق گو میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ وہ ہماری جماعت میں ہیں ہی نہیں لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ کم ہیں اور بعض لوگ ان پر عمل نہیں کرتے اور یہ بھی بڑا نقص ہے۔ دیکھو اگر کسی شخص کی شکل خوبصورت ہو مگر اس کی آنکھ یا کان یا ناک خراب ہو تو کیا اسے خوبصورت کہا جائیگا۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ اسے سب لوگ بدصورت ہی کہیں گے اسیطرح اگر ہماری جماعت کے بعض لوگ ذکر اللہ کے بعض طریق کو عمل میں نہیں لاتے تو ان کی ایسی ہی مثال ہے جیسا کہ ایک شخص نے بڑا قیمتی لباس کوٹ۔ قمیص۔ صدری اور پاجامہ پہنا ہو۔ مگر پاؤں میں جوتا نہ رکھتا ہو۔ یا سر پر پگڑی نہ ہو۔ گو اس کا تمام لباس اچھا ہوگا۔ مگر ایک پگڑی یا جوتے کے نہ ہونے سے اس میں نقص ہوگا۔ اور اعلیٰ درجہ کے لوگ پسند نہیں کرتے کہ ان کی کسی بات میں نقص ہو۔ پس جب تمام طریقوں سے ذکر اللہ نہ کرنا ایک نقص ہے اور پھر جب ہم یہ بھی ثابت کر دیں گے کہ نماز کے علاوہ بعض دوسرے طریقوں سے ذکر اللہ کرنے کا بھی خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے چاہے ان کی حکمت کسی کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے، اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا ہے، تو ضروری ہے کہ روحانیت کا کمال حاصل کرنے کے لئے ان طریقوں پر بھی عمل کیا جائے۔ ہماری جماعت میں نوافل کے ادا کرنے کی طرف پوری توجہ نہ ہونے کی یہ بھی وجہ ہے کہ ان لوگوں نے ذکر اللہ کے اس طریق کے فوائد کو سمجھا نہیں وہ فرائض کو ادا کر کے سمجھ لیتے ہیں کہ ہم نے کام پورا کر لیا۔ حالانکہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں اور خود نہیں فرماتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا ہے۔ لَا یَزَالُ عَبْدِی یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اَکُوْنَ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِهٖ وَیَدَیْهِ الَّذِیْ یَبْطِشُ بِهٖ وَرِجْلَیْهِ الَّذِیْ یَمْشِیْ بِهٖ کہ نوافل سے میرا بندہ مجھ سے اس قدر قریب ہو جاتا ہے کہ میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جس سے کہ وہ سنتا ہے اور میں اس کی آنکھیں ہو جاتا ہوں جس سے کہ وہ دیکھتا ہے اور میں اس کے ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اور میں اس کے پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے کہ وہ چلتا ہے

اس سے آپ لوگ سمجھ سکتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے نوافل کا کتنا بڑا درجہ رکھا ہے اور نوافل کے پڑھنے والے کے لئے کتنا بڑا مقام قرار دیا ہے گویا ان کے ذریعہ خدا تعالیٰ انسان کو اس حد تک پہنچا دیتا ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کی صفات اپنے اندر لے لیتا ہے پس نوافل کوئی معمولی چیز نہیں ہیں۔ مگر افسوس کہ بہت لوگ ان کی طرف توجہ نہیں کرتے اصل بات یہ ہے کہ انسان میں بہت کمزوری اور سستی ہے اس لئے وہ کم سے کم ریاضت کو عمل میں لانا چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو اپنے بندوں کی کمزوریوں سے واقف اور ان پر بہت بڑا رحم کرنے والا ہے اس نے کچھ تو فرائض مقرر کر دیئے ہیں اور کچھ نوافل۔ فرائض تو اس لئے کہ اگر کوئی شخص ان کو پورا کرلے گا تو اس پر کوئی

الزام نہیں آئے گا۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے آکر اسلام کے متعلق پوچھا۔ آپ نے فرمایا خَمْسُ صَلَوٰةٍ فِی الْیَوْمِ وَاللَّیْلَۃِ فَقَالَ ھَلْ عَلَیَّ غَیْرُھُنَّ فَقَالَ لَا اِلَّا اَنْ تَطَوَّعَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَصِیَامُ شَھْرِ رَمَضَانَ فَقَالَ ھَلْ عَلَیَّ غَیْرُہٗ قَالَ لَا اِلَّا اَنْ تَطَوَّعَ قَالَ وَذَکَرَ لَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الزَّکٰوۃَ فَقَالَ عَلَیَّ غَیْرُھَا فَقَالَ لَا اِلَّا اَنْ تَطَوَّعَ فَاَدْبَرَ الرَّجُلُ وَھُوَ یَقُوْلُ وَاللّٰہِ لَا اَزِیْدُ عَلٰی ھٰذَا وَلَا اَنْقُصُ مِنْہُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَفْلَحَ الرَّجُلُ اِنْ صَدَقَ۔

یعنی رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو فرمایا کہ دن رات میں پانچ نمازیں ہیں۔ اس نے کہا کیا ان کے سوا اور بھی ہیں۔ رسول کریمؐ نے فرمایا نہیں۔ لیکن اگر تو نفل کے طور پر پڑھے۔ پھر رسول کریمؐ نے فرمایا۔ ماہِ رمضان کے روزے۔ اس نے کہا۔ کیا ان کے سوا اور بھی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا نہیں مگر جو تو نفل کے طور پر رکھے پھر آپ نے فرمایا اسلام میں زکوٰۃ بھی فرض ہے۔ اس نے کہا کیا اس کے سوا اور بھی ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ مگر جو تو نفل کے طور پر دے۔ یہ سن کر وہ شخص یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ خدا کی قسم میں نہ ان میں زیادتی کروں گا نہ کمی۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ شخص کامیاب ہو گیا اگر اس نے سچ کہا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو انسان فرائض کو پوری طرح ادا کرے وہ کامیاب ہو جاتا ہے مگر محتاط اور دور اندیش انسان صرف فرائض کی ادئیگی پر نہیں رہتا بلکہ وہ نوافل میں بھی قدم رکھتا ہے تاکہ اگر فرائض کے ادا کرنے میں کوئی کمی رہ گئی ہو تو وہ اس طرح پوری ہو جائے۔ مثلاً دن رات میں پانچ نمازیں ادا کرنا فرض ہے۔ ایک ایسا شخص جو یہ نمازیں تو ادا کرتا ہے مگر نوافل نہیں پڑھتا ہے۔ ممکن ہے کہ اس کی ایک نماز ایسی ادا ہوئی ہو جو اس کی کسی غلطی کی وجہ سے ردّی ہو گئی ہو۔ اور قیامت کے دن اسے اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ مسجد میں تشریف رکھتے تھے کہ ایک شخص نے آکر نماز پڑھی۔ آپ نے اسے فرمایا پھر پڑھ۔ اس نے پھر پڑھی۔ آپؐ نے فرمایا پھر پڑھ پھر اس نے پڑھی، جب آپؐ نے چوتھی دفعہ اسے پڑھنے کے لئے کہا تو اس نے کہا کہ یا رسول اللہ خدا کی قسم اس سے زیادہ مجھے نماز نہیں آتی۔ آپ بتائیں کس طرح پڑھوں۔ آپ نے فرمایا تم نے جلدی نماز پڑھی ہے اس لئے قبول نہیں ہوئی۔ آہستہ پڑھو۔

تو بعض اوقات ایسے نقص ہو جاتے ہیں جن کی وجہ سے نماز قبول نہ ہو تو نوافل اس کو کام دے سکیں گے اور اس کی کمی کو پورا کر دیں گے۔ اس کی ایسی ہی مثال ہے کہ کوئی شخص ایسا امتحان دینے کے لئے جائے جس میں پاس ہونے کے لئے صرف پچاس نمبر حاصل کرنے کی شرط ہو اور وہ جا کر اتنے سوال حل کر آئے جن کے

پچاس ہی نمبر ہوں اور یقین کرے کہ میں پاس ہو جاؤں گا یہ اس کی غلطی ہوگی۔ کیونکہ ممکن ہے کہ اس کا کوئی سوال غلط نکل جائے۔ اور اسے پورے پچاس نمبر حاصل نہ ہو سکیں اور وہ فیل ہو جائے۔ اسی لئے جو ہوشیار اور سمجھ دار طالب علم ہوتے ہیں وہ ایسا نہیں کرتے بلکہ انہیں جو سوال آتے ہوں وہ بھی اور جو نہ آتے ہوں وہ بھی سارے کے سارے حل کر آتے ہیں کہ شاید سب کے نمبر مل ملا کر پاس ہو سکیں۔ پھر اگر کوئی سفر میں چلے اور اندازہ کرلے کہ مجھے اس قدر خرچ درکار ہوگا۔ اور اسی قدر اپنے ساتھ لے لے تو بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کا اندازہ غلط ہوتا ہے اور سخت تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ اس لئے ہوشیار اور عقلمند لوگ اندازہ سے کچھ زیادہ لے کر چلتے ہیں تاکہ اتفاقی اخراجات کے وقت تکلیف نہ ہو۔ تو نوافل اتفاقی اخراجات کی طرح ہوتے ہیں اور نہایت ضروری ہیں۔ اس لئے ان کو ادا کرنے کی طرف خاص توجہ کرنا چاہیئے۔"

(ذکرِ الٰہی صـ۲ تا صـ۷)

ذکر اور فکر عبادت میں شامل ہیں

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

"خدا تعالےٰ اِن باتوں سے راضی ہوتا ہے کہ انسان عفّت اور پرہیزگاری اختیار کرے، صدق و صفا کے ساتھ اپنے خدا کی طرف جھکے، دنیوی کدورتوں سے الگ ہو کر تبتل الی اللہ اختیار کرے۔ . . . خشوع کے ساتھ نماز ادا کرے . . . نماز کے علاوہ اٹھتے بیٹھتے اپنا دھیان خدا تعالیٰ کی طرف رکھے یہی اصل مدّعا ہے جس کو قرآن شریف میں اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں کی تعریف میں فرمایا ہے کہ وہ اٹھتے بیٹھتے خدا تعالےٰ کا ذکر کرتے ہیں اور اس کی قدرتوں میں فکر کرتے ہیں، ذکر اور فکر ہر دو عبادت میں شامل ہیں۔"

(ملفوظات جلد ۹ صـ۳۲۱)

انصار اللہ کی اہم اور بنیادی ذمہ داری

مکرم میر الٰہ بخش صاحب تسنیم گوجرانوالہ

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جب اپنی عمر عزیز کی چالیس منزلیں طے فرما چکے تو غارِ حرا میں حضرت جبریل امین آپ کی خدمت میں خدا تعالےٰ کا پیغام لے کر حاضر ہوئے اور اس طرح اللہ تعالےٰ کی طرف سے آپؐ کو خلعتِ رسالت سے نوازا گیا۔ بعدہٗ اللہ تعالےٰ نے آپؐ کی بعثت کی غرض و غایت اس آیت میں بیان فرمائی:-

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ (الجمعہ آیت ۳)

وہی خدا ہے جس نے ایک اَن پڑھ قوم کی طرف اُسی میں سے ایک شخص کو رسول بنا کر بھیجا جو اُن کو خدا کے احکام سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے۔ اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔ گو وہ اس سے پہلے بڑی بھول میں تھے۔

اِس آیت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی چار اغراض بیان کی گئی ہیں۔ اول لوگوں کے سامنے اللہ تعالےٰ کی آیات یا اُس کے احکام بیان کرنا، دوم لوگوں کا تزکیہ کرنا، سوم انہیں کتاب کے علم سے بہرہ ور کرنا، چہارم انہیں حکمت سکھانا۔ یہ اغراض بیان کرنے کے علاوہ اللہ تعالےٰ نے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ کے تحت آپؐ پر ایمان لانے والوں کو اِس امر کا پابند فرما دیا کہ وہ آپؐ کی پوری پوری اتباع کریں۔ سو گویا جس طرح یہ چاروں کام آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے انجام دیئے۔ اسی طرح آپؐ پر ایمان لانے والوں پر بھی یہ فرض عائد کیا گیا کہ اپنی اپنی استعداد کے مطابق وہ بھی انہی کاموں کو انجام دینے کی کوشش کریں۔

یوں تو ان چاروں کاموں کی انجام دہی فی زمانہ جماعتِ احمدیہ کے ہر فرد کی ذمہ داری ہے لیکن انصار اللہ پر بدرجہ اولےٰ یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اِن کاموں کی انجام دہی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں۔ اس

لئے کہ مجلس انصار اللہ میں شمولیت کے لئے چالیس سال کی عمر مقرر کی گئی ہے۔ یہ بعینہٖ وہی عمر ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خلعتِ رسالت سے سرفراز کیا گیا تھا۔ اِس عمر کو پہنچنے کے بعد انسانی قوٰے ہر لحاظ سے پختہ ہو جاتے ہیں اور وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ کوئی ٹھوس اور تعمیری کام کر سکے۔ اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو حقیقی معنوں میں انصار اللہ کہلانے کے مستحق چالیس سال سے زائد عمر کے وہی احمدی ہیں جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلنے والے ہوں اور حضور کی اتباع میں وہی کام اپنے اپنے دائرہ عمل میں انجام دینے والے ہوں جنہیں اللہ تعالےٰ نے حضور کی بعثت کی اغراض قرار دیا اور جنہیں حضور نے تمام و کمال پورا کر دکھایا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ان اغراض کے مالہ و ماعلیہ کو سمجھنا اور اپنے اپنے دائرہ کار میں اپنی اپنی استعداد کے مطابق انہیں پورا کرنا انصار اللہ کی سب سے اہم اور بنیادی ذمہ داری ہے۔

سورۂ جمعہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی جو اغراض بیان کی گئی ہیں۔ ان میں سے پہلی غرض تلاوت آیات ہے۔ تلاوت کے ایک معنی پیروی اور اقتدا کے ہیں۔ قرآن کریم میں آتا ہے۔ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا (الشمس آیت ۳) یعنی میں چاند کو شہادت کے طور پر پیش کرتا ہوں۔ جب وہ سورج کی اقتدا کرتا ہے۔ پھر تلاوت کے ایک معنی پڑھنے اور پڑھ کر سنانے کے بھی ہیں۔ آیات سے مراد قرآن کریم کی آیات بھی ہو سکتی ہیں۔ نیز مظاہر قدرت بھی ہو سکتے ہیں۔ اور معجزات و نشانات بھی۔ پس تلاوت آیات کا مطلب یہ ہوا کہ یہ رسول قرآن مجید کے احکام کی خود بھی اقتدا کرتا ہے۔ اور دوسروں کو تلقین کرتا ہے کہ وہ ان احکام کی پیروی کریں۔ اسی طرح انصار اللہ کا بھی یہ فرض ہے کہ قرآن مجید کے احکام پر خود بھی عمل پیرا ہوں اور دوسروں تک بھی ان احکام کو پہنچا کر انہیں ان پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کریں۔ نیز جو نشانات آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ظاہر ہوئے اور اِس زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ پر اللہ تعالےٰ نے ظاہر فرمائے دوسروں کے سامنے بیان کریں۔ یعنی ان تک پیغام حق پہنچائیں۔ اس کے لئے اتنی زیادہ علم کی ضرورت نہیں گو وہ بھی ضروری ہے۔ لیکن اس سے زیادہ اخلاص اور تقوےٰ کی ضرورت ہے ایک کم علم کیا ایک بے علم بھی پیغام حق پہنچانے کی کوئی نہ کوئی صورت نکال سکتا ہے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض ناخواندہ صحابہ کرامؓ نے اپنے زمانہ میں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایسے ہی متعدد صحابہ رضنے اس زمانہ میں پیغام حق پہونچایا اور اصلاح و ارشاد کا فریضہ بڑی کامیابی سے ادا کیا۔ کتابوں میں ایسے ہی صحابہ رضکے متعدد واقعات آج تک محفوظ ہیں اور جو ہمارے لئے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

نبی یا مامور کا دوسرا کام يُزَكِّيْهِمْ کی رُو سے لوگوں کا تزکیہ کرنا ہے۔ اسی طرح انصار اللہ کا فرض ہے

ہے کہ وہ بھی لوگوں کا تزکیہ کریں۔ لیکن ایک انسان دوسرے انسان کا تزکیہ نہیں کرسکتا۔ جب تک خود اس کا اپنا تزکیہ نہ ہو چکا ہو کیونکہ ایک روشن چراغ سے ہی دوسرا چراغ روشن ہوا کرتا ہے۔ خود اپنا اور دوسروں کا تزکیہ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ معلوم کیا جائے کہ تزکیہ سے اصل مراد کیا ہے۔ لغت کے اعتبار سے تو تزکیہ کے معنی ہیں نشوونما کرنا، بڑھانا، پاک کرنا۔ لیکن یہ لفظ فی الاصل جس باطنی انقلاب پر دلالت کرتا ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"صرف یہ کہنا کہ ہم نے زنا نہیں کیا، چوری نہیں کی، اس سے تزکیہ نفس نہیں پایا جاتا، اور نہ اس کا نام سچی پاکیزگی ہے۔ یہ ایک ایسی شئے ہے کہ اس پر عمل کرنا تو درکنار سمجھنا ہی مشکل ہے۔ جسے خدا تعالیٰ چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ یہ تو ایک قسم کی موت ہے جو انسان کو اپنے نفس پر وارد کرنی پڑتی ہے۔" (ملفوظات جلد ششم ص۱۳۹)

اسی طرح حضور علیہ السلام تزکیہ نفس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے ایک اور جگہ فرماتے ہیں:۔

"انسان موٹی موٹی بدیوں کو تو آسانی سے چھوڑ بھی دیتا ہے لیکن بعض بدیاں ایسی باریک اور مخفی ہوتی ہیں کہ اول تو انسان مشکل سے انہیں معلوم کرتا ہے، پھر اس کا چھوڑنا اسے بہت ہی مشکل ہوتا ہے۔ اس کی ایسی ہی مثال ہے کہ محرقہ گو سخت تپ ہے مگر اس کا علاج کھلا کھلا ہو سکتا ہے۔ لیکن تپ دق جو اندر ہی اندر رکھ رہا ہوتا ہے اس کا علاج بہت ہی مشکل ہے۔ اسی طرح یہ باریک اور مخفی بدیاں ہوتی ہیں جو انسان کو فضائل کے حاصل کرنے سے روکتی ہیں۔ یہ اخلاقی بدیاں ہوتی ہیں جو ایک دوسرے کے ساتھ میل ملاپ اور معاملات میں پیش آتی ہیں۔ ذرا ذرا سی بات اور اختلاف رائے پر دلوں میں بغض، کینہ، حسد، ریا، تکبر پیدا ہو جاتا ہے اور انسان اپنے بھائی کو حقیر سمجھنے لگتا ہے۔ چند روز اگر نماز سنوار کر پڑھی اور لوگوں نے تعریف کی تو ریاء اور نمود پیدا ہو گیا اور وہ اصل غرض جو اخلاص تھی جاتی رہی۔ اور اگر خدا تعالیٰ نے دولت دی ہے یا علم دیا ہے یا کوئی خاندانی وجاہت حاصل ہے تو اس کی وجہ سے اپنے دوسرے بھائی کو جس کو یہ باتیں نہیں ملی ہیں حقیر اور ذلیل سمجھتا ہے اور اپنے بھائی کی عیب چینی کے لئے حریص ہوتا ہے اور تکبر مختلف رنگوں میں ہوتا ہے۔ کسی میں کسی رنگ میں اور کسی میں کسی طرح سے۔ علماء علم کے رنگ میں اسے ظاہر کرتے ہیں اور علمی طور پر نکتہ چینی کر کے اپنے بھائی کو گرانا چاہتے ہیں۔ غرض کسی نہ کسی طرح عیب چینی کر کے اپنے بھائی کو ذلیل کرنا اور نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ رات دن اس کے عیبوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔ اس

قسم باریک بدیاں ہوتی ہیں جن کا دور کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ شریعت ان باتوں کو جائز نہیں رکھتی۔ ان بدیوں میں عوام ہی مبتلا نہیں ہوتے بلکہ وہ لوگ جو متعارف اور موٹی موٹی بدیاں نہیں کرتے ہیں اور خواص سمجھے جاتے ہیں وہ بھی اکثر مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ان سے خلاصی پانا اور مرنا ایک ہی بات ہے۔ اور جب تک ان بدیوں سے نجات حاصل نہ کرلے تزکیۂ نفس کامل طور پر نہیں ہوتا اور انسان ان کمالات اور انعامات کا وارث نہیں بنتا جو تزکیہ نفس کے بعد خدا تعالیٰ کی طرف سے آتے ہیں۔ بعض لوگ اپنی جگہ سمجھ لیتے ہیں کہ ان اخلاقی بدیوں سے ہم نے خلاصی پالی ہے۔ لیکن جب کبھی موقعہ آپڑتا ہے اور کسی سفیہ سے مقابلہ ہو جاوے تو انہیں بڑا جوش آتا ہے اور پھر وہ گند ان سے ظاہر ہوتا ہے جس کا وہم وگمان بھی نہیں ہوتا۔ اس وقت پتہ لگتا ہے کہ ابھی کچھ بھی حاصل نہیں کیا۔ اور وہ تزکیۂ نفس جو کامل کرتا ہے میسر نہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ تزکیہ جس کو اخلاقی تزکیہ کہتے ہیں بہت ہی مشکل ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔"

(ملفوظات جلد ہفتم صفحہ ۲۷۳-۲۷۴)

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ تزکیہ نفس کیسے حاصل ہو سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

"تزکیۂ نفس کے لئے چلہ کشیوں کی ضرورت نہیں ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے تو چلہ کشیاں نہیں کی تھیں۔ ارّہ اور نفی و اثبات وغیرہ کے ذکر نہیں کئے تھے بلکہ ان کے پاس ایک اور ہی چیز تھی۔ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں محو تھے جو نور آپ میں تھا وہ اس اطاعت کی نالی میں سے ہو کر صحابہؓ کے قلب پر گرتا اور ماسوی اللہ کے خیالات کو پاش پاش کرتا جاتا تھا۔ تاریکی کی بجائے ان سینوں میں نور بھرا جاتا تھا۔ اِس وقت بھی خوب یاد رکھو، وہی حالت ہے۔ جب تک کہ وہ نور جو خدا کی نالی میں سے آتا ہے تمہارے قلب پر نہیں گرتا تزکیہ نفس نہیں ہو سکتا۔" (ملفوظات جلد اول صفحہ ۱۸۸)

بہرحال یہ انصار اللہ کی ایک اہم ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے اپنے دائرہ میں تزکیہ نفوس کا کام کرتے رہیں کیونکہ اسی پر انسان کی کامیابی اور کامرانی کا دارومدار ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا وہ شخص کامیاب ہو گیا اور اس نے اپنی زندگی کی غرض و غایت کو پا لیا جس نے نفس کا تزکیہ کر لیا۔ پھر حدیث میں آتا ہے کہ کُلُّکُمْ رَاعٍ وَ کُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ یعنی تم میں سے

ہر شخص راعی ہے اور اس کی ایک رعیت ہے جس کی نگہداشت کا وہ ذمہ دار ہے۔ ان کی روحانی اور جسمانی فلاح و بہبود کے متعلق اس سے باز پرس کی جائے گی کہ اس نے اپنے فرض کو کہاں تک ادا کیا۔ یہ کوئی معمولی چیز نہیں۔ اگر انسان میں ذمہ داری کا صحیح احساس ہو تو صرف اسی ایک ذمہ داری کے احساس سے ہر وقت لرزاں و ترساں رہے۔

نبی کا تیسرا کام یعلمھم الکتاب کی رو سے کتاب کی تعلیم دینا ہے۔ یعنی قرآن کریم کی تعلیم اور اس کے اوامر و نواہی کی حکمت سکھانا۔ قرآن کریم ہماری زندگی کا منبع اور ہماری روحانی پیاس کو دور کرنے کا شیریں اور خنک چشمہ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"آسمان کے نیچے صرف قرآن شریف ہی ایک ایسی کتاب ہے جو سچی اور کامل ہدایتوں اور تاثیروں پر مشتمل ہے۔ جن کے ذریعہ سے حقانی علوم اور معارف حاصل ہوتے ہیں اور بشری آلودگیوں سے دل پاک ہوتا ہے۔ اور انسان جہل اور غفلت اور شبہات سے نجات پا کر حق الیقین کے مقام تک پہنچ جاتا ہے۔" (براہین احمدیہ ص۵۳۵ حاشیہ در حاشیہ ۳)

ایک اور مقام پر حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:-

"تمہارے لئے ایک ضروری تعلیم یہ ہے کہ قرآن شریف کو مہجور کی طرح نہ چھوڑو کہ تمہاری زندگی اسی میں ہے۔ جو لوگ قرآن کو عزت دیں گے وہ آسمان پر عزت پائیں گے۔ جو لوگ ہر ایک حدیث اور ہر ایک قول پر قرآن کو مقدم رکھیں گے۔ ان کو آسمان پر مقدم رکھا جائے گا۔ نوع انسان کے لئے روئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن"

(کشتی نوح صفحہ ۱۹)

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:-

"تین چیزیں ہیں کہ جو تمہاری ہدایت کے لئے خدا نے تمہیں دی ہیں۔ سب سے اول قرآن ہے ..... خدا کی تعلیم اور قرآن کی ہدایت کے برخلاف ایک قدم بھی نہ اٹھاؤ۔ میں تمہیں سچ کہتا ہوں کہ جو شخص قرآن کے سات سو حکم میں سے ایک چھوٹے سے حکم کو بھی ٹالتا ہے وہ نجات کا دروازہ اپنے ہاتھ سے اپنے پر بند کرتا ہے۔ حقیقی اور کامل نجات کی راہیں قرآن نے کھولیں باقی سب اس کے ظل تھے۔ سو تم قرآن کو تدبر سے پڑھو۔ اور اس سے بہت ہی پیار کرو۔ ایسا پیار کہ تم نے کسی سے نہ کیا ہو۔ کیونکہ جیسا کہ خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا الخیر کلہ فی القرآن کہ تمام قسم کی بھلائیاں قرآن میں

میں یہی بات سچ ہے۔ افسوس ان لوگوں پر جو کسی اور چیز کو اس پر مقدم رکھتے ہیں۔ تمہاری تمام فلاح اور نجات کا سرچشمہ قرآن میں ہے۔" (کشتی نوح ص۲۶-۲۷)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ان توضیحات سے قرآن کریم کی تعلیم کی اہمیت بالکل واضح ہو جاتی ہے چوتھی چیز حکمت ہے۔ لغت میں حکمت کے معنی انصاف، علم، بردباری، فلسفہ، حق کے موافق گفتگو اور کلام کی درستی بیان کئے گئے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حکمت کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ:۔

"جب انسان فرقان مجید کی سچی متابعت اختیار کرتا ہے اور اپنے نفس کو اس کے امر و نہی کے بکلی حوالہ کر دیتا ہے اور کامل محبت اور اخلاص سے اس کی ہدایتوں پر غور کرتا ہے اور کوئی اعراض صوری یا معنوی باقی نہیں رہتا تب اس کی نظر اور فکر کو حضرت فیاض مطلق کی طرف سے ایک نور عطا کیا جاتا ہے اور ایک لطیف عقل اس کو بخشی جاتی ہے جس سے عجیب و غریب لطائف اور نکات علم الٰہی کے جو کلام الٰہی میں پوشیدہ ہیں اس پر کھلتے ہیں اور ابر نیساں کے رنگ میں معارف دقیقہ اس کے دل پر برستے ہیں۔ وہی معارف دقیقہ ہیں جن کو قرآن مجید میں حکمت کے نام سے موسوم کیا گیا ہے جیسا کہ ہے يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا" (براہین احمدیہ ص۵۱۱ حاشیہ در حاشیہ ۳)

حقیقت میں اپنے مفہوم کے اعتبار سے حکمت کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ سورہ بنی اسرائیل رکوع تین اور چار میں چند ایک اہم احکام بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ذَالِكَ مِمَّا أَوْحَىٰ إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ۔ یعنی یہ جو کچھ بیان ہوا ہے یہ اس حکمت کا ایک حصہ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے اے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بذریعہ وحی تجھ پر نازل فرمائی ہے۔ جن احکام پر وہ حکمت مشتمل ہے، ان میں سے پہلا حکم یہ ہے۔ وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ۔ خدا نے یہ تاکیدی حکم دیا ہے کہ سوائے اُس کے کسی کی عبادت نہ کرو۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"ہر ایک گناہ بخشنے کے قابل ہے مگر اللہ تعالیٰ کے سوا اور کو معبود و کارساز جاننا ایک ناقابل عفو گناہ ہے۔ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ۔ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ یہاں شرک سے یہی مراد نہیں کہ پتھروں وغیرہ کی پرستش کی جائے بلکہ یہ بھی ایک شرک ہے کہ اسباب کی پرستش کی جائے اور معبودات دنیا پر زور دیا جائے۔ اسی کا نام شرک ہے۔"

(ملفوظات حصہ ششم صفحہ ۱۸)

اسی طرح شرک کی توضیح میں ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:۔

"یہ بھی خدا تعالیٰ نے منع نہیں کیا کہ دنیوی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے اسباب کو اختیار کیا جائے۔ نوکری والا نوکری کرے، زمیندار اپنی زمینداری کے کاموں میں رہے، مزدور مزدوریاں کریں۔ تا وہ اپنے عیال و اطفال اور دوسرے متعلقین اور اپنے نفس کے حقوق کو ادا کر سکیں۔ پس ایک جائز حد تک یہ سب درست ہے اور اس کو منع نہیں کیا جاتا۔ لیکن جب انسان حد سے تجاوز کر کے اسباب ہی پر بھروسہ کرے۔ اور سارا دار و مدار اسباب پر ہی جا ٹھہرے۔ تو یہ وہ شرک ہے جو انسان کو اس کے مقصد سے دور پھینک دیتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اگر فلاں سبب نہ ہوتا تو میں بھوکا مر جاتا۔ اگر یہ جائداد یا فلاں کام نہ ہوتا تو میرا بُرا حال ہو جاتا۔ فلاں دوست نہ ہوتا تو تکلیف ہوتی۔ یہ امور اس قسم کے ہیں کہ خدا تعالیٰ ان کو ہرگز پسند نہیں کرتا کہ جائداد یا اور اسباب و احباب پر اس قدر بھروسہ کیا جائے کہ خدا تعالیٰ سے بکلی دور جا پڑے۔ یہ خطرناک شرک ہے جو قرآن شریف کی تعلیم کے صریح خلاف ہے۔" (ملفوظات جلد سوم ص۸۰)

اسی طرح قرآن میں بیان کردہ باقی احکام اور ان کی پُرمعارف حکمتیں ہیں جن پر خود عمل کرنا اور دوسروں کو عمل کرنے کی ترغیب دینا انصار اللہ کا فرض ہے۔ آخر میں میں حضرت المصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک خطبہ کا اقتباس پیش کر کے یہ مضمون ختم کرتا ہوں۔ حضورؓ فرماتے ہیں:۔

"ان (انصار اللہ) سے وہی کام لیا جائے گا جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے لیا گیا۔ یعنی کچھ تو اس بات پر مقرر کئے جائیں گے کہ وہ لوگوں کو تبلیغ کریں۔ کچھ اس بات پر مقرر کئے جائیں گے کہ وہ لوگوں کو قرآن اور حدیث پڑھائیں۔ اور کچھ اس بات پر مقرر کئے جائیں گے کہ وہ لوگوں کو وعظ و نصیحت کریں۔ کچھ اس بات پر مقرر کئے جائیں گے کہ وہ تعلیم و تربیت کا کام کریں۔ اور کچھ تزکیہ نفوس کے دوسرے معنوں کے مطابق اس بات پر مقرر کئے جائیں گے کہ وہ لوگوں کی دنیوی ترقی کی تدابیر عمل میں لائیں۔" (الفضل قادیان یکم اگست ۱۹۴۰ء)

سلام بحضور حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ بنصرہ

(مکرم آفتاب احمد صاحب بسمل - کراچی -)

مسلمان شعراء نے متعدد دینی بزرگوں اور اسلامی ملکوں کی شان میں سلام کہے ہیں بسمل صاحب نے درج ذیل سلام حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ کی شان میں کہا ہے (ادارہ)

سلام اس پہ خدا نے نافلۃً جس کو فرمایا
سلام اُس پہ کہ جس کا ذکر وحیٔ پاک میں آیا

سلام اُس پہ سدا سے جس پہ ہے اللہ کا سایہ
سلام اُس پہ امامت کا ہے جس نے مرتبہ پایا

سلام اُس مصلح موعودؓ کے فرزندِ اقدس پر
بنا ہے قدرتِ ثانی کا جواب تیسرا مظہر

سلام اُس پر جسے حق نے خلافت کی ردا بخشی
ملا جس کو امیر المومنین کا رتبۂ عالی

جسے اِس دور میں قرآن سے نسبت ہے عثمانی
بفضلِ ایزدی ہے واقفِ اسرارِ رُوحانی

مسیحِ پاکؑ کے لختِ جگر کی گود کا پالا!
وہ اُمّ المومنینؓ کے دل کی ٹھنڈک آنکھ کا تارا

جدائی مصلح موعودؓ کی صدمہ تھا جاں لیوا!
ہر اک فردِ جماعت کا کلیجہ مُنہ کو تھا آیا
خدا نے اپنی قدرت کا مگر پھر ہاتھ دکھلایا
اور ان زخمی دلوں پر رکھ دیا تسکین کا پھایا

سلام اُس پر ملی جس سے جماعت کو طمانیّت
وہ جس کے دم قدم سے پھر ملی ہے دین کو نصرت

سلام اس میرے پیارے میرے آقا میرے دلبر پر
کہ جس سے پھر ہوا ہے گلشنِ اسلام بار آور
محمد مصطفےٰؐ کے جاں نثاروں کا وہ سر لشکر
مرے ماں باپ ہوں بسمل تصدق اُس کے قدموں پر

خدا خود حافظ و ناصر ہے اس کا ہر گھڑی ہر پل
کہ جو رہتا ہے اُس کے دیں کی خاطر رات دن بیکل

سلام اس پر جو دنیا میں خدا کا آج مظہر ہے
کلام اللہ سے جس کا دلِ صافی منوّر ہے
سلام اس پہ خدا کا پاک سایہ جس کے سر پر ہے
گدائی جس کے در کی بادشاہی سے بھی بڑھ کر ہے

دعائیں جس کی ہیں مقبول درگاہِ الٰہی میں
ملے گا دین کو غلبہ اُسی کی رہنمائی میں

امامِ وقت کے ساتھ دلی وابستگی

اور اطاعت کی اہمیت

مکرم پروفیسر شیخ محبوب عالم صاحب خالد ایم۔اے

انبیاء اور ماموین اللہ تعالیٰ سے روشنی حاصل کرتے ہیں۔ پھر اس کی برکت سے وہ گمراہوں کو راہ دکھاتے اندھوں کو بینائی دیتے اور جاہلوں کو علم اور معرفت کی روشنی عطا کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے یہ برگزیدہ بندے اس کے فضل سے وہ کچھ جانتے ہیں جس سے دوسرے ناواقف ہوتے ہیں۔ وہ اپنے علم اور معرفت کی روشنی میں گم کردہ راہ لوگوں کی راہ نمائی کرتے ہیں۔ اس طرح کہ دنیا ان سے برکت حاصل کرتی۔ اور ان کی صحبت سے فیض یاب ہوتی ہوئی خدا تعالیٰ کو پالیتی ہے۔ پس اگر کوئی شخص یہ سمجھے کہ ایسا روحانی پیشوا اور خدا کے مقرر کردہ امام کی اطاعت کا جوا اپنی گردن پر رکھے۔ اور اس سے فیض صحبت حاصل کئے بغیر محض اپنی عقل اور علم کی بناء پر اپنی چالاکی اور ہوشیاری سے اپنے طور پر وہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرلے گا۔ تو یہ امر محال ہے۔ لفاظی اور لسانی کی مدد سے زہد و اتقا کے بلند بانگ دعاوی کر کے وہ انسانوں کو تو دھوکا دے سکتا ہے مگر دلوں کی حقیقت جاننے والے خدا کے سامنے اس کی پیش نہیں جاتی۔ اس کے لئے ایک خدا رسیدہ انسان کی اطاعت کرنا اور اس سے فیض صحبت حاصل کرنا ضروری ہے جس سے دل دھل جاتے اور ایمان کے نور سے منور ہو جاتے ہیں۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

فَلَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى" کہ تم یہ خیال نہ کرو کہ ہم اپنے نفس یا عقل کے ذریعہ خود بخود مزکی بن جائیں گے۔ یہ بات غلط ہے وہ خوب جانتا ہے کہ کون متقی ہے۔ جہالت ایک ایسی زہر ہے کہ جیسے انسان چنگا بھلا پھرتا ہوا فوراً ہیضہ وغیرہ سے ہلاک ہو جاتا ہے اور اس سے پیشتر گمان بھی نہیں ہوتا کہ میں مر جاؤں گا۔ ایسے ہی جہالت ہلاک کرتی ہے۔ اس کا علاج بلا انبیاء علیہم السلام کے نہیں ہو سکتا۔ ان کی صحبت

میں رہنے سے انسان کے اندر وہ قوت پیدا ہوتی ہے کہ جس سے اسے اپنے مرض کا پتہ لگتا ہے۔ ورنہ خشک لفّاظی اور چرب زبانی سے انسان کو یہ بات حاصل نہیں ہو سکتی۔" (البدر ۲۵ ستمبر ۱۹۰۳ء)

ایک مریض بعض اوقات اپنے تئیں بھلا چنگا سمجھتا ہے۔ اسے یہ احساس نہیں ہوتا کہ اسے کوئی مہلک مرض لاحق ہے مگر ایک ماہر طبیب جانتا ہے کہ اس کی بیماری کس قدر خطرناک ہے جو اسے لحظہ بہ لحظہ موت کے منہ میں لئے جا رہی ہے۔ اسی طرح انبیاء اور مامورین سے فیض یاب ہوئے بغیر ایک انسان کو اپنی کمزوریوں خامیوں اور روحانی بیماریوں کا احساس نہیں ہوتا۔ ان کے ساتھ وفاداری اور اخلاص اور صدق و صفا کا گہرا تعلق اور ان سے دلی وابستگی پیدا کر کے اور ان سے فیض یاب ہو کر ہی اسے اپنی کمزوریوں اور روحانی بیماریوں کا علم اور اپنی بے مائیگی اور بے بضاعتی اور تہی دامنی کا احساس ہوتا ہے۔ ان کے بتائے ہوئے طریق پر چل کر وہ روحانی بیماریوں اور کمزوریوں سے نجات حاصل کرتا اور روحانی طور پر صحت یاب ہوتا ہے۔ اور ان کی لائی ہوئی روشنی میں وہ منزلِ مقصود کی طرف بڑھتا ہے۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"یہ نہایت ضروری ہوتا ہے کہ واقف راہ اور روشنی والے کے پیچھے دوسرے تابع ہو جاویں۔"

(ملفوظات جلد اول صفحہ ۱۲۱)

پس ایک مومن جس راہ پہ وہ چلائے گامزن ہو جاتا ہے اس کی پیروی کرتا اور اس کے پیچھے چل پڑتا ہے نفس انسانی پر بہت سے بتوں کا قبضہ ہوتا ہے' خود آرائی' نخوت' تکبر و غرور' علم و دولت پر ناز' چلّہ کشی اور خشک زہد و اتقاء' فخر وغیرہا۔ جب تک یہ بت نہ ٹوٹیں اور دل ان سے پاک نہ ہو جائے۔ اس وقت تک خدا اس میں جلوہ گر نہیں ہوتا۔ ان بتوں کو توڑنے کے لئے امام وقت کے ہاتھ پر بک جانا اور اس کی اطاعت کا جوا گردن پر رکھتے ہوئے ایک موت قبول کرنا ضروری ہے کیونکہ جب تک یہ موت قبول نہ کی جائے اور اطاعت کا کامل نمونہ نہ دکھایا جائے۔ اس وقت تک یہ بت قدم قدم پر روک بنتے اور بشاشتِ قلب سے امام وقت کے دامن کے ساتھ وابستگی اور اس کی اطاعت میں محویت سے مانع ہوتے ہیں۔ حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں محو ہو چکے تھے۔ اللہ تعالےٰ نے ان کی اس قربانی کو نوازا۔ اور ان کے قلوب کو نور سے منور کر دیا جس سے ان کے دل ہر قسم کی آلائش سے پاک ہو گئے۔ اس طرح انہیں خدا کے فضل سے تزکیۂ نفس حاصل ہو گیا۔ اور ان کے سینے مہبطِ انوارِ الٰہی بن گئے۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"یہ راہ میں خود تراشیدہ نہیں بتاتا بلکہ خدا نے مجھے مامور کیا ہے کہ میں بتاؤں اور وہ

راہ کیا ہے؟ میری پیروی کرو اور میرے پیچھے چلے آؤ ..... اگر تم میری پیروی کرو گے تو اپنے اندر کے بتوں کو توڑ ڈالنے کے قابل ہو جاؤ گے اور اس طرح پر سینہ کو جو طرح طرح کے بتوں سے بھرا پڑا ہے پاک کرنے کے لائق ہو جاؤ گے۔ تزکیہ نفس کے لئے چلہ کشیوں کی ضرورت نہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نے چلہ کشیاں نہیں کی تھیں، اَرّہ اور نفی اور اثبات کے ذکر نہیں کئے تھے، بلکہ ان کے پاس ایک ہی چیز تھی، وہ رسول اللہ کی اطاعت میں محو تھے، جو نور آپ میں تھا وہ اس اطاعت کی نالی میں سے ہو کر صحابہؓ کے قلب پر گرتا اور ماسوی اللہ کو پاش پاش کرتا جاتا تھا۔ تاریکی کی بجائے ان کے سینوں میں نور بھرا جاتا تھا اس وقت بھی خوب یاد رکھو وہی حالت ہے جب تک کہ وہ نور جو خدائی نالی میں آتا ہے تمہارے قلب پر نہیں گرتا۔ تزکیہ نفس نہیں ہو سکتا۔ انسان کا سینہ مہبط الانوار ہے اور اسی وجہ سے وہ بیت اللہ کہلاتا ہے۔ بڑا کام یہی ہے کہ اس میں جو بت ہیں وہ توڑے جائیں اور اللہ ہی اللہ رہ جائے۔" (ملفوظات جلد اول صفحہ ۱۸۸)

پس ایک مومن کے لئے اس راہ میں سب سے بڑا کام یہی ہے کہ دل میں جو بت ہیں وہ توڑے جائیں اور اللہ ہی اللہ رہ جائے۔ اور جس دل میں اللہ تعالیٰ جلوہ گر ہو وہ انوار الٰہی سے پُر ہو جاتا ہے اور اس میں کسی قسم کی ظلمت اور تاریکی باقی نہیں رہتی ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔ اللہ تعالیٰ کے اس احسان عظیم کو دیکھ کر دل شکر کے جذبات سے بھر جاتا ہے۔ اور ایک مومن وفاداری اور صدق اور ایثار اور قربانی کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتے ہوئے اپنے اوپر فنا وارد کر لیتا اور رسول کی اطاعت میں محو ہو کر خدا ہی میں محو ہو جاتا ہے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:-

"اللہ تعالیٰ پوست کو پسند نہیں کرتا وہ تو روحانیت اور مغز کو قبول کرتا ہے لَن یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُھَا وَلَا دِمَآؤُھَا وَلٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ اور دوسری جگہ فرمایا ہے۔ انما یتقبل اللہ من المتقین۔ حقیقت میں یہ بڑی نازک جگہ ہے یہاں پیغمبر زادگی بھی کام نہیں آتی ..... خدا تعالیٰ وفاداری اور صدق کو پیار کرتا ہے اور اعمال صالحہ کو چاہتا ہے۔ لاف وگزاف اسے راضی نہیں کر سکتے۔" (الحکم ۳۱ر جولائی ۱۹۰۲ء)

اور جب ایک مومن کے دل میں محویت کی یہ کیفیت ہو تو وہ صدق اور اخلاص کے ساتھ اعمال صالحہ بجالاتے ہوئے رات اور دن ذکر الٰہی، عبادات، نوافل اور خدمت دین میں صرف کرتا ہوا اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی کا طالب ہو جاتا ہے اور اسی کے حضور سربسجود۔ اس کا اوڑھنا، بچھونا، کھانا، پینا، جینا اور مرنا

افریقہ میں عیسائیت کی ناکامی کا ایک اور تازہ ثبوت

عیسائی عقائد پر زمبیا کے صدر جناب کینیتھ کونڈا کی نکتہ چینی

اخباری اطلاعات کے مطابق پچھلے دنوں برطانیہ میں برّاعظم افریقہ کے متعلق خود افریقہ ہی کی ایک نامی گرامی شخصیت کی لکھی ہوئی کتاب زیرِ طبع تھی۔ کوئی عجب نہیں کہ کتاب مذکور نشر و اشاعت کے مشہور برطانوی ادارہ "لانگ مینز" کی طرف سے زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر منظرِ عام پر آبھی چکی ہو۔ یہ کتاب مملکتِ زمبیا کے عیسائی پریذیڈنٹ مسٹر کینیتھ کونڈا (MR. KENNETH KAUNDA) کی تصنیف ہے جس میں انہوں نے افریقی لیڈروں کی بڑھتی ہوئی عالمی شہرت، دولتِ مشترکہ، نسلی امتیاز، رہوڈیشیا کی غیر آئینی حکومت، اور افریقہ سے تعلق رکھنے والے دیگر مسائل کے متعلق اپنے دلی جذبات و احساسات اور ذاتی افکار و نظریات کو بیان کیا ہے۔ یہ کتاب ایک مسلسل اور مربوط تصنیف کی حیثیت نہیں رکھتی، بلکہ مسٹر کونڈا کے اُن قیمتی خطوط پر مشتمل ہے جو موصوف نے وقتاً فوقتاً اپنے ایک سندلی دوست ریورنڈ کولن موریس (REV. COLIN MORRIS) کے نام تحریر کئے۔ ریورنڈ موریس جیسا کہ ان کے نام سے ہی عیاں ہے ایک عیسائی پادری ہیں اور "دی یونائیٹڈ چرچ آف زمبیا" کے پریذیڈنٹ ہیں یعنی زمبیا کی متحدہ کلیسیا کے صدر۔ ان خطوط میں مسٹر کونڈا نے جن متعدد افریقی مسائل کے بارہ میں اپنی رائے کا اظہار کیا ہے ان میں "عیسائیت اور اسلام" کا موضوع بھی شامل ہے۔ قدرتی طور پر کتاب کے زیرِ بحث مسائل میں سے ہمیں سب سے زیادہ دلچسپی اس موضوع اور اس سے متعلق ان کی رائے اور نظریات سے ہی ہے۔

مسٹر کونڈا نے اسلام اور عیسائیت کے بارہ میں کن خیالات اور نظریات کا اظہار کیا ہے؟ اس کا تفصیلی علم تو اصل کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد ہی ہوگا تاہم کینیا (مشرقی افریقہ) کے اخبار "سنڈے نیشن" نے اپنی ۲۵ ستمبر ۱۹۶۶ء کی اشاعت میں ان خطوط کے مطالعہ کے بعد اُن کے نظریات اور افکار و آراء کا جو خلاصہ شائع کیا ہے اس سے بھی مروجہ عیسائیت سے متعلق ان کی فکری نہج سے آگاہ ہونے میں کچھ کم مدد نہیں ملتی۔

موصوف نے جو کچھ لکھا ہے وہ بدیہی طور پر اس امر کا آئینہ دار ہے کہ عیسائیت اب افریقہ میں ناکام ہو چکی ہے اور یہ کہ وہاں بالآخر اسلام ہی غالب آکر رہے گا۔ چنانچہ موصوف رقم طراز ہیں :۔

"افریقہ میں آج جس چیز کو بحال کرنے کی ضرورت ہے وہ ہے انسان کی فطری اچھائی اور خوبی پر اعتماد و انحصار کا جذبہ۔

اگرچہ تمام لوگوں میں سے بالخصوص آپ (یعنی پادری کولن مورس) سے یہ بات کہنی کار دارد ہے تاہم اس کے کہنے کے سوا چارہ بھی نہیں کہ میں اس بات پر ایمان رکھتا ہوں کہ عیسائیت کی بعض اقسام نے جو انسان کے پیدائشی طور پر گناہ گار و سیاہ کار ہونے پر زور دیتی ہیں اہل افریقہ کے لئے میراث کے طور پر جو تحفہ چھوڑا ہے وہ ہمارے لئے رحمت سے زیادہ لعنت کا موجب ثابت ہوا ہے

مجھے اس بات پر شبہ ہے کہ عیسائی مشنریوں کے آنے سے قبل افریقہ کے لوگ واقعی دکھ اور مصیبت سے آشنا تھے۔ آپ میری اس بات سے کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔ میرا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ پہلے وہ زندگی کے صدمات سے کبھی دوچار نہ ہوئے تھے یا یہ کہ انہیں کبھی غم سے واسطہ نہ پڑا تھا یا یہ کہ وہ کبھی سرگرداں و دلگیر نہ ہوئے تھے۔ میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اہل افریقہ نے (عیسائی مشنریوں کی آمد سے قبل) دکھ اور مصیبت کو ایک مسلک اور انداز زیست کے طور پر کبھی نہیں اپنایا تھا۔ اور یہی وہ بات ہے جو ایک ناقص مذہب نے انہیں سکھائی۔

خدا کا شکر ہے کہ ہم کچھ نہ کچھ عیسائیت کے بہترین پہلو سے بھی مستفید ہوئے ہیں۔ میں خود اس سے مستفید ہونے والوں میں سے ہوں اس لئے مجھ سے اس غلطی کا ارتکاب ممکن نہیں کہ میں عیسائیت کے تعمیری کردار کا انکار یا اسکی مذمت کروں۔ اس کے باوجود میں یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ افریقہ میں اسلام کے بڑھتے ہوئے اثر کا راز اس امر میں مضمر ہے کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے کہ جو خدا پر انحصار اور بھروسہ کا انکار کئے بغیر لوگوں میں اپنے آپ پر بھی اعتماد اور بھروسہ کرنے کے جذبہ کو مضبوط سے مضبوط تر بناتا ہے۔ یہ ایک جنگجویانہ، قومی عصبیت اور عدم رواداری کا حامل مذہب ہے (؟) پھر بھی یہ ایک ایسا مذہب ہے جو انسانوں کے لئے ہے۔ کیا عیسائیت بھی انسانوں کا مذہب کہلا سکتی ہے۔؟"

(ترجمہ از انگریزی۔ "سنڈے نیشن" ۲۵ ستمبر ۱۹۶۶ء ط ۲۰/۱۹)

خدا ہی کے لئے ہوجاتا ہے۔ اس میں کوئی دنیاوی آلائش نہیں ہوتی اور نہ ہی کوئی دنیوی غرض مقصود ہوتی ہے وہ اپنے نفس پر یہ سختیاں وارد کرتا ہے تو محض خدا تعالےٰ کی رضا کے لئے اور اسی کی محبت میں سرشار ہوکر۔

اسی صدق و اخلاص اور عملِ صالح کی تشریح فرماتے ہوئے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

"نیک عمل کی مثال ایک پرندہ کی طرح ہے۔ اگر صدق اور اخلاص کے قفس میں اسے قید رکھو گے تو وہ رہے گا ورنہ پرواز کرجائے گا اور یہ بجز خدا تعالےٰ کے فضل کے حاصل نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَدًا (پ ۱۶ ع ۳) عمل صالح سے یہاں یہ مراد ہے کہ اس میں کسی قسم کی بدی کی آمیزش نہ ہو۔ صلاحیت ہی صلاحیت ہو۔ نہ عجب ہو، نہ کبر ہو، نہ نخوت ہو، نہ تکبّر ہو، نہ نفسانی اغراض کا حصہ ہو، نہ رو بخلق ہو حتیٰ کہ دوزخ اور بہشت کی خواہش بھی نہ ہو، صرف خدا تعالےٰ سے محبت سے وہ عمل صالح صادر ہو۔ جب تک دوسری قسم کی غرض کو دخل ہو تب تک ٹھوکر کھائے گا اور اس کا نام شرک ہے۔"

(البدر ۸ دسمبر ۱۹۰۳ء)

اللہ تعالےٰ کے لئے صدق و اخلاص، اس کی راہ میں فدائیت اور قربانی کا متقاضی ہے۔ ایک مومن جب تک اس راہ میں اپنے نفس کی قربانی پیش نہیں کرتا اس وقت تک اسے خدا تعالےٰ کی رضا حاصل نہیں ہوتی۔ وہ اپنی رضا پر اللہ تعالےٰ کی رضا کو، اپنے مفاد پر اللہ تعالےٰ کی خوشنودی کو، اور اپنی خواہشات پر خدا تعالےٰ کی محبت کو ترجیح دیتا ہے، اس طرح کہ اس کی کسی نفسانی خواہش اور ذاتی غرض کا وجود ہی باقی نہیں رہتا۔ یہی وہ مقام ہے جسے صوفیا مقامِ فنا قرار دیتے ہیں۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:-

"یہ خوب یاد رکھو کہ جس جماعت کا قدم خدا تعالےٰ کے لئے نہیں۔ اس سے کیا فائدہ؟ خدا کے لئے قدم رکھنا امر سہل بھی ہے جبکہ خدا تعالےٰ اس پر راضی ہوجائے اور روح القدس سے اس کی تائید کرے۔ یہ باتیں پیدا نہیں ہوتیں۔ جب تک اپنے نفس کی قربانی نہ کرے اور نہ یہ کہ اس پر عمل ہو اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہشتی زندگی اسی دنیا سے شروع ہوجاتی ہے اگر ہوائے نفس کو روک دیں۔ صوفیوں نے فنا وغیرہ کے الفاظ سے جس مقام کو تعبیر کیا ہے۔ وہ یہی ہے کہ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى کے نیچے ہو۔" (الحکم ۱۰ اگست ۱۹۰۵ء)

کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو ایمان اور اخلاص اور خدا تعالےٰ کے لئے صدق و وفا کے اس معیار پر پورے

مملکتِ زمبیا کے صدر جناب کینتھ کونڈا نے خود عیسائی ہونے کے باوجود اپنے ہی ملک کے ایک مقتدر پادری کے نام اپنے ایک خط میں عیسائیت کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ نہایت درجہ اہمیت کے حامل ہیں۔ اُن کے اِس بے لاگ اظہار خیال سے یہ امر ظاہر و عیاں ہوئے بغیر نہیں رہتا کہ افریقہ میں عیسائیت ایک صدی سے زائد عرصہ تک غالب اور حکمران رہنے کے باوجود اب وہاں کیوں ناکام ہو رہی ہے اور اسکی بجائے اسلام کیوں کامیاب ہوتا اور غالب آتا جا رہا ہے انہوں نے جہاں ایک طرف عیسائیت کے ایک بنیادی نقص کی نشان دہی کر کے اس کی پُر زور مذمت کی ہے وہاں دوسری طرف اسلام کی ایک لازوال خوبی کو بڑی عمدگی سے پیش کر کے اس کی فضیلت کا بڑے ہی کھلے دل سے اعتراف کیا ہے۔ اِس میں شک نہیں انہوں نے اسلام کی ایک بنیادی خوبی کو سراہنے کے ساتھ ساتھ اسے جارحیت، قومی عصبیت اور عدم رواداری کا حامل مذہب قرار دیا ہے جو ہرگز بھی درست نہیں۔ لیکن مذہبًا وہ بہر حال عیسائی ہیں اور اس بناء پر اسلام کی اصل تعلیم اور اس کی بے مثال و لازوال خوبیوں سے پورے طور پر آگاہ نہیں ہیں کیونکہ ان کے سامنے اکثر و بیشتر اسلام کی وہی تصویر ہے جو پادریوں نے وہاں پیش کی ہے۔ لہٰذا ان کی طرف سے حقیقت کے بالکل متضاد یہ اظہارِ خیال قابل لحاظ نہیں۔ اس میں بڑی حد تک وہ معذور و بے قصور ہیں لیکن خود واقف حال عیسائی ہوتے ہوئے انہوں نے عیسائیت کے جس بنیادی نقص کی طرف توجہ دلائی ہے وہ واقعی ایسا خطرناک نقص ہے جس سے خود اللہ تعالیٰ کی ذاتِ بے ہمتا اور اس کی پیدا کردہ انسانیت پر حرف آئے بغیر نہیں رہتا۔

وہ بنیادی نقص جس کی جناب کونڈا نے نشان دہی کی ہے یہ ہے کہ عیسائیت ہر انسان کو پیدائشی طور پر گنہگار مانتی ہے۔ اس اعتقاد کی رو سے جو بچہ بھی اس دنیا میں پیدا ہوتا ہے وہ موروثی گناہ کی لعنت لے کر پیدا ہوتا ہے اور اس طرح اوّل دن سے ہی "راندۂ درگاہ" کا لیبل اس کی پیشانی پہ لگا دیا جاتا ہے۔ یہ سخت جان موروثی گناہ وہ گناہ ہے جو ہزاروں ہزار سال پہلے نسلِ انسانی کے مورث اعلیٰ آدم نے شیطان کے بہکانے میں آ کر کیا تھا۔ اس قدیمی گناہ کی وجہ سے نسلِ آدم مسلسل گنہگار پیدا ہوتی چلی آ رہی ہے۔ یہ رسوا کنِ انسانیت عقیدہ اس لئے تراشا گیا تا کہ یسوعؑ کو خدا ثابت کیا جا سکے۔ اس کا ماحصل یہ ہے کہ چونکہ خدا آدم کا یہ پہلا اور متعدی گناہ کسی صورت معاف کرنے کے لئے تیار نہ تھا اور یہ انسان کے اپنے بس میں نہ تھا کہ وہ ایسے منتقم خدا کو، اظہارِ ندامت، توبہ، گریہ و زاری اور نیک اعمال کے ذریعہ کسی صورت راضی کر سکے اس لئے یسوعؑ نے جو عیسائیوں کے

عقیدہ کے بموجب ازل سے خدا کا بیٹا اور اپنی جگہ خود خدا ہے۔ ہزاروں سال تک نسل آدم کے موروثی گناہ میں ملوث رہنے کے بعد بالآخر تجسم اختیار کیا اور نسلِ آدم کے کبھی نہ دُھل سکنے والے گناہ کی پاداش میں صلیب پر جان دے کر از روئے تورات لعنتی موت اختیار کی تب کہیں جا کر منتقم خدا کا غصّہ ٹھنڈا ہوا اور اس نے یسوع کی اس قربانی کے بعد اس شرط کے ساتھ نسلِ آدم کا موروثی گناہ معاف کرنے پر آمادگی ظاہر کی کہ وہ اُس کے بیٹے یسوع کے پیش کردہ کفارہ پر ایمان لائیں اور اُس کے خونِ ناحق کو اپنی نجات کا وسیلہ جانیں۔ اس طرح یسوع کو خدا کا بیٹا اور اس کی خدائی میں شریک ثابت کرنے کے لئے موروثی گناہ کا سارا ڈھونگ تیار کیا گیا۔ اور اس امر کی پرواہ نہیں کی گئی کہ اس کا نتیجہ کیا نکلے گا۔ نتیجہ یہ نکلتا تھا کہ عیسائیوں کا خدا ہے تو اتنا منتقم اور غضب ناک کہ اس نے ہزارہا سال گزرنے کے باوجود آدم کا گناہ معاف نہ کیا اور نسلاً بعد نسلٍ اس کو متہم گردانا چلا گیا، اور اس کا پیدا کردہ انسان جسے اس نے اپنی طرف سے اشرف المخلوقات بنایا تھا اس درجہ ارذل المخلوقات ثابت ہوا کہ ہزاروں ہزار سال تک بھی گناہ کا سیاہ داغ اس کی پیشانی سے نہ مٹ سکا۔

عیسائی طاقتوں کے سیاسی اقتدار کے سہارے موروثی گناہ کے عقیدہ کو افریقہ میں ڈیڑھ سو سال تک تسلیم کیا جاتا رہا۔ مسٹر کوانڈا نے اپنے مکتوب میں اس عقیدہ کے خلاف جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ ثبوت ہیں اس بات کا کہ مغربی طاقتوں کے سیاسی اقتدار کے خاتمہ کے ساتھ ساتھ آزاد افریقہ کے لوگ جنہیں مغرب کی عیسائی طاقتیں جانوروں سے بھی کمتر سمجھتی رہی تھیں اب اس عقیدہ کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ وہ پیدائشی طور پر گناہ گار اور سیاہ کار ہیں۔ وہ اُس عقیدہ ہی کو ترک کر رہے ہیں (اور ایسا کرنے میں وہ حق بجانب ہیں۔) جو اُن کی انسانیت کو بلاوجہ داغدار کرتا اور ان کے درجہ کو حد درجہ گراتا ہے۔ اس کے بالمقابل وہ اسلام کی طرف دن بدن مائل ہو رہے ہیں جو ان کو جملہ مخلوقات میں شرف اور بزرگی کا مقام دیتا ہے اور اپنی اعلیٰ و ارفع اخلاقی تعلیم کی رو سے اس کی صلاحیتوں کو ترقی دے کر اسے اس دنیا میں خدا تعالیٰ کا مظہر بنانے کا ذمہ اٹھاتا ہے۔ اہل افریقہ کی طرف سے موروثی گناہ کے ننگِ انسانیت عقیدہ کا انکار دراصل عیسائیت کے تابوت میں آخری کیل کے مترادف ہے۔ جب موروثی گناہ کا عقیدہ ہی باطل ہے تو پھر اس امر کی ضرورت نہیں رہتی کہ خدا تعالیٰ جو توالد و تناسل کے جھگڑوں سے یکسر پاک ہے اپنے نام نہاد اکلوتے بیٹے کو آسمان سے بھیجے اور پھر وہ اکلوتا بیٹا نعوذ باللہ خود خدا ہوتے ہوئے تجسّم اختیار کرے اور خواہ مخواہ صلیب

پہ جان دے کر از روئے تورات لعنتی موت مرے

مسٹر کونڈا نے خود عیسائی ہوتے ہوئے موروثی گناہ کے باطل عقیدہ پر جو نکتہ چینی کی ہے اور اسے اہل افریقہ کے لئے رحمت کی بجائے لعنت سے تعبیر کر کے عیسائیت کی بنیاد پر جو کاری ضرب لگائی ہے وہ فطرت کی آواز ہے جو فرشتوں کی تحریک کے نتیجہ میں خود ان کے اندر سے پیدا ہوئی ہے۔ یہ وہی فرشتے ہیں جو آج سے ۷۷ سال پہلے حضرت بانیٔ سلسلۂ احمدیہؑ کی بعثت کے وقت صلیب توڑنے اور مخلوق پرستی کی ہیکل کچلنے کے لئے آسمان سے نازل ہوئے تھے۔ آج کون کہہ سکتا ہے کہ ۷۷ سال قبل حضرت بانیٔ سلسلۂ احمدیہ علیہ السلام نے جو خبر دی تھی وہ درست ثابت نہیں ہوئی۔ آج زمانہ کے حالات گواہی دے رہے ہیں کہ وہ خبر بالکل سچی تھی۔ آج ہم آپؑ کی دی ہوئی خبر کے مطابق صلیب کو ٹوٹتے اور مخلوق پرستی کی ہیکل کو مسمار ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ آپؑ نے ۱۸۹۰ء میں فرمایا تھا:۔

"میں آسمان سے اترا ہوں اُن پاک فرشتوں کے ساتھ جو میرے دائیں بائیں تھے جن کو میرا خدا جو میرے ساتھ ہے میرے کام کے پورا کرنے کے لئے ہر ایک مستعد دل میں داخل کرے گا بلکہ کر رہا ہے۔ اور اگر میں چپ بھی رہوں اور میری قلم لکھنے سے رُکی بھی رہے تب بھی وہ فرشتے جو میرے ساتھ اترے ہیں اپنا کام بند نہیں کر سکتے اور ان کے ہاتھ میں بڑی بڑی گرزیں ہیں جو صلیب توڑنے اور مخلوق پرستی کی ہیکل کچلنے کے لئے دیئے گئے ہیں۔"

(فتح اسلام)

نیز آپ نے اللہ تعالیٰ سے خبر پا کر یہ خبر دی تھی کہ:۔

"وہ وقت قریب ہے کہ خدا کی سچی توحید جس کو بیابانوں کے

رہنے والے اور تمام تعلیموں سے غافل بھی اپنے اندر محسوس کرتے ہیں ملکوں میں پھیلے گی۔ اُس دن نہ کوئی مصنوعی کفارہ باقی رہے گا اور نہ کوئی مصنوعی خدا۔ اور خدا کا ایک ہی ہاتھ کفر کی سب تدبیروں کو باطل کر دے گا لیکن نہ کسی تلوار سے اور نہ کسی بندوق سے بلکہ مستعد روحوں کو روشنی عطا کرنے سے اور پاک دلوں پر ایک نور اتارنے سے۔ تب یہ باتیں جو میں کہتا ہوں سمجھ میں آئیں گی "

(اشتہار ۱۲ر جنوری ۱۸۹۷ء)

مورونی گڑہ کے متعلق مسٹر کوانڈا کا وہ محاکمہ جو ہم قبل ازیں اوپر درج کر آئے ہیں اس امر کا بیّن ثبوت ہے کہ آج خدا افریقہ کے طول وعرض میں مستعد روحوں کو روشنی عطا کر رہا ہے اور پاک دلوں پر نور اتار رہا ہے اور وہاں حسب وعدۂ الٰہی خدا کی سچّی توحید جس کو بیابانوں کے رہنے والے اور تمام تعلیموں سے غافل بھی اپنے اندر محسوس کرتے ہیں پھیل رہی ہے۔ خدا کی یہ سچّی توحید وہاں پھیلتی چلی جائے گی یہاں تک کہ ایک افریقہ ہی نہیں دنیا کے تمام براعظموں یعنی خشکی اور تری پر محیط ہو جائے گی۔ ایسا ہو گا اور ہو کر رہے گا۔ کیونکہ یہ اُس خدا کا وعدہ ہے جس کے آگے کوئی بات اَنہونی نہیں۔ ذالکَ تقدیر العزیز العلیم۔ (ایڈیٹر)

— ❊ —

خدا کے پسندیدہ لوگ!

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

"خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ میں اپنی جماعت کو اطلاع دوں کہ جو لوگ ایمان لائے ایسا ایمان جو اس کے ساتھ دنیا کی ملونی نہیں اور وہ ایمان نفاق یا بزدلی سے آلودہ نہیں اور وہ ایمان اطاعت کے کسی درجہ سے محروم نہیں ایسے لوگ خدا کے پسندیدہ لوگ ہیں اور خدا فرماتا ہے کہ وہی ہیں جن کا قدم صدق کا قدم ہے " (الوصیت)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کے گیارہویں سالانہ اجتماع کا پروگرام

۲۸ اکتوبر ۱۹۶۶ء بروز جمعۃ المبارک

اجلاس اول

۳-۰۰ تا ۳-۰۸	تلاوت قرآن مجید	مکرم حافظ مسعود احمد صاحب
۳-۰۸ تا ۴-۰۰	عہد و افتتاح و دعا	سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
۴-۰۰ تا ۴-۰۲	تقسیم علم انعامی	
۴-۰۲ تا ۴-۰۷	نظم	مکرم چوہدری شبیر احمد صاحب بی اے نائب قائد اصلاح و ارشاد
۴-۰۷ تا ۴-۲۲	درس قرآن مجید	مکرم مولانا ابوالعطاء صاحب قائد تربیت
۴-۲۲ تا ۴-۳۲	درس حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم	مکرم شیخ عبدالقادر صاحب مربی سلسلہ
۴-۳۲ تا ۴-۴۲	درس کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام	مکرم مولوی غلام باری صاحب سیف ۔
۴-۴۲ تا ۴-۵۷	جماعت احمدیہ کے قیام کی غرض و غایت	مکرم مسعود احمد خاں صاحب قائد اشاعت
۴-۵۷ تا ۵-۴۰	تفریحی کھیلیں	
۵-۴۰ تا ۷-۳۰	وقفہ برائے نماز مغرب و عشاء و طعام	

اجلاس دوم

۷-۳۰ تا ۷-۴۰	تلاوت قرآن کریم	مکرم محمد شفیع خانصاحب نجیب آبادی زعیم اعلیٰ کراچی
۷-۴۰ تا ۸-۴۰	سالانہ رپورٹ	قائدین مرکزیہ اپنے اپنے شعبہ کی رپورٹ پیش کریں گے
۸-۴۰ تا ۹-۴۰	مجلس شوریٰ	
۹-۴۰ تا ۹-۵۵	قبولیت دعا کی دو ذاتی مثالیں	مکرم مولوی محمد صادق صاحب سابق مبلغ سماٹرا

"شب بخیر"

۲۹ اکتوبر بروز ہفتہ

اجلاس سوم

۴-۳۰ تا ۵-۰۰	نماز تہجد	
۵-۰۰ تا ۵-۳۵	نماز فجر	
۵-۳۵ تا ۵-۵۰	درس قرآن مجید	مکرم مولوی نذیر احمد صاحب مبشر ۔

وقت	پروگرام	
۵-۵۰ تا ۷-۰۰	ذکر حبیب علیہ السلام	
۷-۰۰ تا ۹-۰۰	ناشتہ وغیرہ	

اجلاس چہارم

وقت	پروگرام	مقرر
۹-۰۰ تا ۹-۱۰	تلاوت قرآن مجید	مکرم حافظ محمد رمضان صاحب
۹-۱۰ تا ۹-۲۰	نظم	مکرم محمد احمد صاحب انور
۹-۲۰ تا ۹-۳۵	درس قرآن مجید	مکرم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب نائب صدر مجلس انصار اللہ
۹-۳۵ تا ۹-۴۷	درس حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم	مکرم ملک سیف الرحمٰن صاحب
۹-۴۷ تا ۱۰-۰۰	درس کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام	مکرم مولوی غلام باری صاحب سیف
۱۰-۰۰ تا ۱۰-۱۵	حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ کی تقویٰ شعاری	مکرم مولانا غلام احمد صاحب فرخ
۱۰-۱۵ تا ۱۰-۲۵	ذکر حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام	حضرت قاضی محمد عبد اللہ صاحب
۱۰-۲۵ تا ۱۰-۴۰	درازئ عمر کے اصول	مکرم صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب قائد ایثار
۱۰-۴۰ تا ۱۰-۵۰	نظم	مکرم مولوی عبد العزیز صاحب
۱۰-۵۰ تا ۱۱-۴۰	انعامی تقریری مقابلہ:-	

عنوانات:-

۱- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں کیا انقلاب برپا کیا
۲- حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد سے دنیا کیسے متاثر ہوئی
۳- اسلام ہی میں دنیا کی نجات ہے۔
۴- صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام
۵- تربیت اولاد کے لئے نیک نمونہ کی ضرورت
۶- باہمی محبت و اخوت کی تلقین
۷- ذکر الٰہی۔

منصفین:- ۱- مکرم خان شمس الدین خان صاحب پشاور
۲- مکرم چوہدری انور حسین صاحب شیخوپورہ
۳- مکرم میر محمد بخش صاحب گوجرانوالہ

(نوٹ:- مقابلہ میں شریک ہونے والے احباب کی تعداد کو مدنظر رکھ کر ہر مقرر کو وقت دیا جائے گا)

۱۱-۴۰ تا ۱۲-۳۰ سوال و جواب ۱- محترم مولانا جلال الدین صاحب شمس
۲- محترم مولانا ابو العطاء صاحب۔
اور محترم قاضی محمد نذیر صاحب جواب دیں گے۔

(نوٹ:۔ ایسے سوالات دریافت کرنے کی اجازت نہ ہوگی جن کا تعلق افتاء یا قضاء سے ہو یا جن کا تعلق فرقہ وارانہ مسائل یا سیاسیات سے ہو)

۱۲-۳۰ تا ۲-۳۰	وقفہ برائے نماز ظہر و عصر و طعام	

اجلاس پنجم

۲-۳۰ تا ۲-۴۰	تلاوت قرآن کریم	مکرم حافظ بشیر الدین عبید اللہ صاحب
۲-۴۰ تا ۲-۵۰	نظم	مکرم چوہدری عبدالعزیز صاحب
۲-۵۰ تا ۳-۵	درس قرآن کریم	مکرم قاضی محمد نذیر صاحب لائلپوری
۳-۵ تا ۳-۲۰	صحابہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت شعاری	مکرم پروفیسر بشارت الرحمٰن صاحب
۳-۲۰ تا ۳-۲۷	نظم	مکرم محمد احمد صاحب انور
۳-۲۷ تا ۳-۴۲	خلافت سے دلی وابستگی کی اہمیت	مکرم مولانا عبدالمالک خان صاحب
۳-۴۲ تا ۳-۵۷	حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ کی جاری فرمودہ تحریکات کی اہمیت اور ہماری ذمہ داریاں	مکرم شیخ محمد حنیف صاحب کوئٹہ
۳-۵۷ تا ۴-۱۲	تحریک جدید ہم سے کیا چاہتی ہے	مکرم چوہدری شبیر احمد صاحب
۴-۱۲ تا ۴-۲۷	وقف جدید کے تقاضے	مکرم مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب
۴-۲۷ تا ۴-۴۵	صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جذبہ فدائیت وللہیت	مکرم شیخ محمد احمد صاحب مظہر۔
۴-۴۵ تا ۵-۳۰	تفریحی کھیلیں	
۵-۳۰ تا ۷-۳۰	وقفہ برائے نماز مغرب و عشاء و طعام	

اجلاس ششم

۷-۳۰ تا ۷-۴۰	تلاوت قرآن مجید	مکرم حافظ شفیق احمد صاحب
۷-۴۰ تا ۷-۵۵	تقسیم انعامات	مکرم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب
۷-۵۵ تا ۹-۱۵	شوریٰ	
۹-۱۵ تا ۹-۳۰	صداقت احمدیت کے ثبوت نشانات (مشرقی پاکستان میں)	مکرم محمد شمس الرحمٰن صاحب ڈھاکہ
۹-۳۰ تا ۹-۴۰	دلی پرستہ نہ ہو بلکہ دل ہو (الحکم ۲۴ مئی ۱۹۰۲ء)	مکرم شیخ مبارک احمد صاحب قائد اصلاح وارشاد

شب بخیر

۳۰ر اکتوبر ۱۹۶۶ء بروز اتوار

اجلاس ہفتم

وقت	پروگرام	
۴-۳۰ تا ۵-۰۰	نماز تہجد	
۵-۰۰ تا ۵-۳۵	نماز فجر	
۵-۳۵ تا ۶-۰۰	درس قرآن مجید	مکرم قاضی محمد نذیر صاحب لائلپوری
۶-۰۰ تا ۷-۰۰	ذکر حبیب علیہ السلام	
۷-۰۰ تا ۹-۰۰	ناشتہ وغیرہ	

اجلاس ہشتم

وقت	پروگرام	
۹-۰۰ تا ۹-۱۰	تلاوت قرآن مجید۔	مکرم شمس الرحمٰن صاحب ناظم اعلےٰ انصار اللہ مشرقی پاکستان
۹-۱۰ تا ۹-۲۵	نظم	مکرم قریشی عبدالرحمٰن صاحب ناظم اعلیٰ انصار اللہ سابق صوبہ سندھ
۹-۲۵ تا ۹-۳۵	درس قرآن مجید	مکرم مولانا جلال الدین صاحب شمس
۹-۳۵ تا ۹-۵۰	موعود کل ادیان (حضرت مسیح موعود علیہ السلام) کی آمد سے متعلق پیشگوئیاں	مکرم شیخ عبدالقادر صاحب مربی سلسلہ ۔
۹-۵۰ تا ۱۰-۵	حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد سے غرض (ملفوظات سے)	مکرم پروفیسر حبیب اللہ خاں صاحب
۱۰-۵ تا ۱۰-۱۰	نظم	مکرم چوہدری شبیر احمد صاحب
۱۰-۱۰ تا ۱۰-۲۵	حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے فتح و نصرت کے وعدے (الہامات کی روشنی میں)	مکرم مرزا عبدالحق صاحب ایڈووکیٹ سرگودھا
۱۰-۲۵ تا ۱۰-۴۵	حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے فتح و نصرت کے وعدے (ملفوظات کی روشنی میں)	مکرم مولانا غلام احمد صاحب فرخ
۱۰-۴۵ تا ۱۰-۵۵	اللہ تعالیٰ کی فتح و نصرت کے وعدوں کے پیش نظر ہمارا فرض ۔	مکرم مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری
۱۰-۵۵ تا ۱۱-۱۰	اللہ تعالیٰ کے فتح و نصرت کے وعدوں کے پیش نظر تربیت اولاد کی ضرورت و اہمیت اور اس کے طریق	مکرم شیخ مبارک احمد صاحب
۱۰-۵۵ تا ۱۱-۲۵	اسلام اور احمدیت کی فتح اور غلبہ کے دن قریب تر لانے کے لئے دعاؤں کی تحریک	مکرم مولانا عبدالمالک خانصاحب
۱۱-۲۵ تا ۱۱-۳۰	نظم	مکرم چوہدری شبیر احمد صاحب
۱۱-۳۰ تا ۱۲-۳۰	خطاب حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز۔	
۱۲-۳۰ تا ۱۲-۳۵	عہد و دعا	

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

نوٹ: ۱۔ یہ تربیتی اجتماع پرائیویٹ ہے اور ایک پرائیویٹ احاطہ میں منعقد ہو رہا ہے

قائد عمومی مجلس انصار اللہ مرکزیہ

ذکر الٰہی کے ترک اور اس سے غفلت کا نام کفر ہے

خدا کی یاد میں ہر وقت دل کو لگا رہنا چاہئیے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

'' قرآن شریف میں ہے اذکرونی اذکرکم و اشکروالی ولا تکفرون یعنی اے میرے بندو ! تم مجھے یاد کیا کرو اور میری یاد میں مصروف رہا کرو، میں بھی تم کو نہ بھولوں گا ، تمہارا خیال رکھونگا ، اور میرا شکر کرو اور میرے انعامات کی قدر کیا کرو اور کفر نہ کیا کرو ۔ اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ذکر الٰہی کے ترک اور اس سے غفلت کا نام کفر ہے ۔ پس جو دم غافل وہ دم کافر والی بات صاف ہے ۔ یہ پانچ وقت تو خدا تعالی نے بطور نمونہ کے مقرر فرمائے ہیں ورنہ خدا کی یاد میں تو ہر وقت دل کو لگا رہنا چاہئیے اور کبھی کسی وقت بھی غافل نہ ہونا چاہئے ۔ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے ہر وقت اسی کی یاد میں غرق ہونا بھی ایک ایسی صفت ہے کہ انسان اس سے انسان کہلانے کا مستحق ہوسکتا ہے اور خداتعالی پر کسی طرح کی امید اور بھروسہ کرنے کا حق رکھ سکتا ہے ۔

اصل میں قاعدہ ہے کہ اگر انسان نے کسی خاص منزل پر پہنچنا ہے تو اس کے واسطے چلنے کی ضرور ہوتی ہے ۔ جتنی لمبی وہ منزل ہوگی اتنا ہی زیادہ تیزی کوشش اور محنت اور دیر تک اسے چلنا ہوگا ۔ سو خداتعالی تک پہنچنا بھی تو ایک منزل ہے اور اس کا بعد اور دوری بھی لمبی ۔ پس جو شخص خداتعالی سے ملنے چاہتا ہے اور اس کے دربار میں پہنچنے کی خواہش رکھتا ہے اس کے واسطے نماز ایک گاڑی ہے جس پر سوار ہوکر وہ جلد تر پہنچ سکتا ہے ۔ جس نے نماز ترک کردی وہ کیا پہنچے گا ''

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ ۲۵۴،۲۵۵)

ٹائیٹل نصرت آرٹ پریس ربوہ میں طبع ہؤا

نہیں اترتے۔ اللہ تعالیٰ سے ان کی محبت کامل نہیں ہوتی اور اس کی خاطر سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ وہ خدا تعالیٰ کی محبت کے دعاوی کے ساتھ ساتھ اپنے دل میں دنیا کی محبت بھی رکھتے ہیں۔ محبت میں دوئی ناقابلِ برداشت ہوتی ہے۔ اس راہ میں جہاں دوئی آئی خائب و خاسر کر گئی۔ اللہ تعالیٰ کامل اور غیر مشروط محبت چاہتا ہے وہ شرک کو ناپسند کرتا ہے جب تک دل میں یہ کیفیت پیدا نہ ہو انسان کے لئے گھاٹا ہی گھاٹا ہے۔ انہی لوگوں کے ذکر میں حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ اِطْمَاَنَّ بِهٖ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ نِ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ۔ بعض لوگ ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ایک کنارے پر کھڑے ہو کر کرتے ہیں۔ اگر اس کو بھلائی پہنچے تو اس سے اطمینان ہو جاتا ہے اور اگر کوئی فتنہ پہنچے تو منہ پھیر لیتا ہے ایسے لوگوں کو دنیا اور آخرت کا نقصان ہے اور یہ نقصان ظاہر ہے۔" (بدر ۲ر جولائی ۱۹۰۵ء)

پس اللہ تعالیٰ کو یہ امر پسند نہیں کہ کچھ اس کے لئے ہو اور کچھ اس کے غیر کے لئے۔ وہ خلوص چاہتا ہے جو اعلیٰ درجہ کے صدق و صفا کا آئینہ دار ہو۔ وھو المراد۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام "الوصیۃ" میں فرماتے ہیں:

"اگر تمہاری زندگی اور تمہاری موت اور تمہاری ہر ایک حرکت اور تمہاری نرمی اور گرمی محض خدا کے لئے ہو جائے گی اور ہر ایک تلخی اور مصیبت کے وقت تم خدا کا امتحان نہیں کرو گے۔ اور تعلق کو نہیں توڑو گے بلکہ آگے قدم بڑھاؤ گے۔ تو میں سچ سچ کہتا ہوں کہ تم خدا کی ایک خاص قوم ہو جاؤ گے"
(رسالہ الوصیۃ ص۱۳)

اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہماری کمزوریاں دور فرمائے۔ اور ہماری زندگیوں کو حضور علیہ السلام کے منشاء کے مطابق ڈھال دے۔ اس طرح کہ ہم ہر حال میں خدا سے راضی ہوں اور خدا ہم سے راضی ہو۔ آمین۔

معرفت اور محبت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"جب تک انسان ادنیٰ حالت میں ہوتا ہے اس کے خیالات بھی ادنیٰ ہی ہوتے ہیں اور جس قدر معرفت میں گرا ہوا ہوتا ہے اسی قدر محبت میں کمی ہوتی ہے۔ معرفت سے حسنِ ظن پیدا ہوتا ہے۔ ہر شخص میں محبت اپنے ظن کی نسبت سے ہوتی ہے۔" (البدر ۲۴ر اگست ۱۹۰۴ء)